[illegible]

[illegible]

22

8

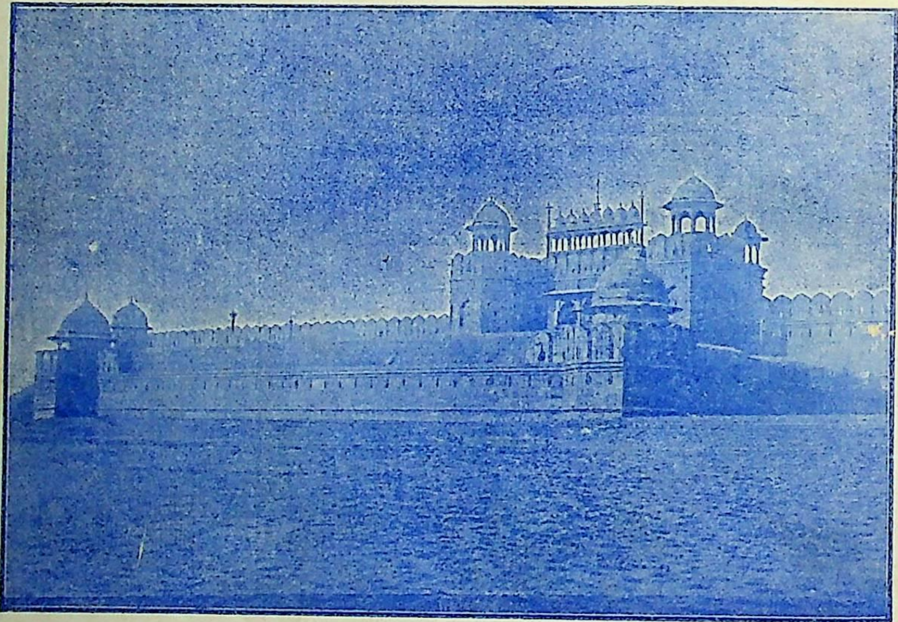
29.

جلد پنجم

جولائی سنہ ۱۹۲۵ء

حصۂ نوزدہم

اُردو



انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرستِ مضامین

رسالہ اردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

فہرستِ مضامین



مرثیہ شہادت حضرت عباس

(آج کل مرثیہ قصیدہ کے لگ بھگ ہو گیا ہے اور مرثیہ پن کم ہوتا جاتا ہے۔ہم فصیح کا ایک مرثیہ شایع کرتے ہیں اس کی سادگی۔روانی اور زور قابل داد ہے۔قدیم مرثیہ گو جنگ اور بین اور شجاعت وغیرہ کا زیادہ خیال رکھتے تھے اور جوش اور بکا و ماتم کا حق ادا کرتے تھے۔زبان کی سادگی سے درد و گداز اور بڑھ جاتا تھا۔میر انیس اور اُن کے ہم عصروں نے نئی نئی جدتیں پیدا کیں اور گھوڑے اور تلوار کی تعریف اور مناظر کا بیان اور اسی قسم کے اور مضامین اضافہ کئے۔یہ جدتیں بلا شبہ قابل تعریف ہیں۔مگر اب اس کی لے اس قدر بڑھی ہے کہ ساقی نامے تک داخل ہو گئے ہیں اور یہ اضافی مضامین مرثیہ کے رنگ پر غالب آتے جاتے ہیں اور مرثیہ کا اصل مقصد فوت ہوتا جاتا ہے اسی لئے ہم نے فصیح کا یہ مرثیہ جو اب تک غیر مطبوعہ ہے شایع کرنا مناسب خیال کیا۔اڈیٹر)

جب مشک بھر کر نہر سے عباس غازی گھر چلے
ایک جام کوثر بھر لیا اور خلد سے حیدر چلے
ساتھ اُن کے پیغمبر چلے حمزہ چلے جعفر چلے
میداں میں رستہ روکنے کفار کے لشکر چلے
آئی گھٹا سی فوج کیں کالے علم کھولے ہوے
عباس پہونچے شمر سے تیغ دو دم کھولے ہوے

شامی جو تھے نامی وھاں نکلے وہ نعرے مار کر
کہنے لگے میدان میں عباس کو للکار کر
گر مرد ھے تو اے جواں گھبرا نجا ھتیار کر
ڈٹ کر کھڑا ھو سامنے شیروں سے آنکھیں چار کر
گر جنگ کا یارا نہیں ھتیار اپنے ڈال دے
ھم کو علم دے مشک دے تلوار دے اور ڈھال دے

ھم شام کے خیال ھیں ھم قوم کے سردار ھیں
سفاک ھیں قتال ھیں خونریز ھیں خونخوار ھیں
ھم سور ھیں ابطال ھیں ساونت ھیں جرار ھیں
ھم نام کو ھیں پہلواں ھم زال بھمن وار ھیں
جس جا ڈٹے جنگاہ میں پھر ایک قدم ھٹتے نہیں
گر ھو زمیں کو زلزلہ ھیں کوہ ھم ھٹتے نہیں

ھر ایک صاحب قلعہ ھے ھر ایک صاحب قصر ھے
ھر ایک فریدوں دھر ھے ھر ایک وحید عصر ھے
ھر ایک ھے چنگیز خاں ھر ایک بخت النصر ھے
پکڑے جلو ھر ایک کے اقبال و فتح و نصر ھے
ڈرتے نہیں ھم شیر سے دبتے نہیں ھم فیل سے
کرتے ھیں کشتی دیو سے لڑتے ھیں عزرائیل سے

عباس نے جس دم سنی لات و گزاف اھل کیں
گونجا بسان شیر نر میداں میں وہ ضرغام دیں
گرجا یکایک رعد سا تھرا گئے چرخ و زمیں
کوندی جو برق خونفشاں گھبرا گئے شامی لعیں
ایک حیدری نعرا کیا اس شور سے اس زور سے
گھوڑے بھگاے چار سو بھاگے ستمگر چور سے

ٹ ٹکر رجز پڑھنے لگا غازی بآواز جلی
میں ہوں دلاور صف شکن فرزند مولانا علی
ہے ابن عبدالمطلب دادا ابو طالب ولی
تلوار میری باپ سے ہے عمر عنتر سے چلی

میں ابن خیبر گیر ہوں میں حیدری شمشیر ہوں
میں جعفری تصویر ہوں میں یاور شبیر ہوں

میداں میں میرے سامنے گر شیر ہے روباہ ہے
آگے میری تلوار کے گر کوہ ہو وہ کاہ ہے
نصر من اللہ ساتھ ہے فتح مبیں ہمراہ ہے
ماہ بنی ہاشم ہوں میں خورشید میرا شاہ ہے

بالغرض لشکر شام کا کالی گھٹا یا میغ ہے
نیزہ ہے میرا صاعقہ برق درخشاں تیغ ہے

واقف ہو تم اے اہل کیں میں کون ہوں عباس ہوں
مرنے کا اندیشہ نہیں لڑنے میں بیوسواس ہوں
دنیا سے کوسوں دور ہوں خلد بریں کے پاس ہوں
تندی میں میں فولاد ہوں سختی میں میں الماس ہوں

گر شیر کو للکاردوں ہیبت سے ڈر کر گر پڑے
گر فیل پر حملہ کروں دہشت سے مر کر گر پڑے

ہو غرق آہن کس لئے خود وزرہ سب بار ہے
چار آئینہ باندھے ہو کیوں ہر آئینہ بیکار ہے
جس دم چلا نیزہ میرا سمجھو زرہ کے پار ہے
چار آئینہ صابون ہے شمشیر براں تار ہے

اس دم نظر آتے نہیں پوشیدہ ہیں سر خود میں
ایک وار میں تم دیکھنا تن پر نہیں ہیں گود میں

یہ کہہ کے سر گرم وغا فرزند شیر حق ہوا
جب تیغ ماری فرق پر سینہ زمیں کا شق ہوا
دست مبارک خوں میں تر پنجہ سے تا مرفق ہوا
غازي کی صولت دیکھہ کر چہرا عمر کا فق ہوا
گردوں سے آتی ہے صدا احسنت ابن مرتضیٰ
اے مرد میدان وغا سا ونت ابن مرتضیٰ

جو مرد تھے مارے گئے نامرد بھاگے بوالہوس
تھا ابن حیدر جوش میں بجلی سا پھرتا تھا فرس
کشتے پڑے تھے راس و چپ زخمی پڑے تھے پیش و پس
کہتے تھے شامی الاماں کوفی صدا دیتے تھے بس
اے ابن شاہ لافتیٰ یہ تیغ ہے یا برق ہے
جاری ہے ان میں سیل خوں صحرا لہو میں غرق ہے

تب ابن سعد بے حیا یوں شمر سے کہنے لگا
اے شمر مشکیزہ لئے جاتا ہے ابن مرتضیٰ
تو خلعت و زر پاے گا سر کاٹ لا عباس کا
گر سر نہ لا سکتا ہو تو مشکیزہ اُس سے چھین لا
کچھہ فکر کر یا مکر کر تدبیر کر تزویر کر
سر کاٹ لے یا مشک لے تقریر یا شمشیر کر

سن کر یہ فرمان عمر لی باگ اوس ناپاک نے
ہمراہ اوس نامرد کے دو الف تیر انداز تھے
غازی کے آکر سامنے ظالم پکارا دور سے
کیا خوب تو اس دم لڑا عباس رحمت ہے تجھے
سردار اپنی فوج کا تیری ثنا خوانی میں ہے
شہرہ تیری تلوار کا افواج سلطانی میں ہے

تو ھے سپاھی من چلا تو ھے دلاور بے بدل
ھے قدرداں تیرا عمر اس دم تو اس کے پاس چل
خلعت پہن جاگیر لے موقوف کر جنگ و جدل
ضامن ھوں میں اس قول میں ھرگز نہ آوے گا خلل
گر تو عمر سے مل گیا منصب بھی ھے جاگیر بھی
تیری سفارش کے سبب بچ جاے گا شبیر بھی

عباس نے ھنس کر کہا اے شمر تو عاقل نہیں
کیا دوں جواب اس بات کا تو بات کے قابل نہیں
میں طالب دولت نہیں دل مال پر مایل نہیں
دنیا کے عز و جاہ سے واللہ کچھ حاصل نہیں
منصب شہادت ھے میرا خلد بریں جاگیر ھے
خلعت ھے یہ خونی کفن اور قدرداں شبیر ھے

لیکن جو یہ تو نے کہا گر تم چلو نزد عمر
بچ جاے گا تلوار سے اعدا کے شاہ بحر و بر
یہ بھی غلط ھے جھوٹ ھے واقف نہیں ھے تو مگر
بلوا کے ابن سعد کو شہ نے کہا اے بے خبر
واللہ تو پچھتاے گا مت مار مجکو اے عمر
جز لعن کیا ھاتھ آے گا مت مار مجکو اے عمر

مانا نہ حضرت کا سخن میری سنے گا بات کب
اے شمر مل جانا تو کیا بچ جاے گر شاہ عرب
خط غلامی لکھ کے دوں خدمت کروں میں روز و شب
جب کام اوسے در پیش ھو حاضر ھوں آکر بے طلب
میدان میں گر جنگ ھو جتنے کہے سر کاٹ دوں
گر ھو لڑائی کوٹ کی لاشوں سے خندق پاٹ دوں

یہ سن کے شمر بے حیا بولا نہیں چلتے اگر
اس مشک کا منہ کھول کر پانی بہادو خاک پر
پینا نہیں جایز تمہیں یہ آب ہے ملک عمر
عباس نے اوس دم کہا اے بے حیا اے بے خبر
صحرا میں ہو یا کوہ میں جنگل میں ہو یا شہر میں
جو نہر ہے آفاق میں ہے فاطمہ کے مہر میں

جب تک نہ خوں میرا بہے یہ آب بہنے کا نہیں
ہے جب تلک نتھنوں میں دم یہ ننگ سہنے کا نہیں
اس بات کا مت نام لے یہ حرف کہنے کا نہیں
ہوشیار ہو آئی اجل جیتا تو رہنے کا نہیں
ہے ہاتھہ میں تیرے سپر ہاں وار میرا روک تو
خارا میں بھی رکتی نہیں میرے علم کی نوک تو

یہ کہہ کے ایک نعرا کیا اور باگ لے رہوار کی
تیروں کا مینھہ پڑنے لگا صف جم گئی کفار کی
غربال سینہ کر دیا مہلت نہ دی تلوار کی
تصویر خوں میں بھر گئی شہ کے علم بردار کی
پانی بہا جب مشک سے بس جنگ سے دل رک گیا
قربہ مشبک ہوگیا قربوس پر سر جھک گیا

زخمی کو غش آنے لگا جھونکے علم کھانے لگا
خون جگر پینے لگا تیغ دو دم کھانے لگا
نیزے سپاہ شام کے شیر عجم کھانے لگا
یاد آئی شہ کی تشنگی غمخوار غم کھانے لگا
تلوار جب چلنے لگی ہر ایک بازو کٹ گیا
ایک گرز نوفل کا پڑا فرق مبارک پھٹ گیا

اوس دم گرا رهوار سے تیورا کے وہ ضرغام دیں
مشک و علم لے کر چلا سوے عمر شمر لعیں
آئی صدا میدان سے اے سبط ختم المرسلیں
بھای تیرا مارا گیا تجکو خبر هے یا نہیں
اکبر کو دے اپنا علم ظالم کو لے جانے نہ دے
مشک و علم وہ لے چلا هاں باگ لے جانے نہ دے

سن کر یہ هاتف کی صدا پہونچے شہ کون و مکاں
وہ ذوالفقار حیدری بجلی سی کوندی ناگہاں
نعرہ کیا شبیر نے ظالم تو جاتا هے کہاں
بھاگا ستمگر پھینک کر میدان میں مشک و نشاں
دیکھا جو حضرت نے علم دریا بہاے اشک کے
چوما نشان احمدی بوسے لئے اوس مشک کے

پرچم کے نیچے باندہ دی پھر شہ نے مشک خونچکاں
اکبر سے رو رو کر کہا پیارے اوٹھا لے تو نشاں
روکر بہم گھر کو هوے مشک و علم لے کر رواں
تھی در پہ خیمہ کے کھڑی پیاسی سکینہ نیم جاں
تارا سا چھکا دور سے پرچم طلائی دھوپ میں
خوش هوکے دوڑی تشنہ لب سائے سے آئی دھوپ مین

هنس کر پکاری اے پھپھی آے چچا آے چچا
لو مشک بھر لاے میری آے چچا آے چچا
کیسی هوئی دل کو خوشی آے چچا آے چچا
کہہ دو نہ رو وین اب چچی آے چچا آے چچا
دیکھو ادھر کو رخ کیا عباس عالی جاہ نے
جو منہ سے چچی کے سرخرو مجکو کیا اللہ نے

کیسی خجالت تھی مجھے آثار تھے سب یاس کے
روتی تھی مارے شرم کے مرتی تھی مارے پیاس کے
اللہ نے کیا سن لیا رونے کو مجھ بے آس کے
مشکیزہ لاتے ہیں میرا قربان میں عباس کے
نام خدا میدان سے زندہ پھرے سالم پھرے
لوگو مبارک باد دو ماہ بنی ہاشم پھرے

آو کہ آپہونچے چچا دیکھو وہ آتا ہے علم
پانی سے مشکیزہ بھرا لاتے ہیں اے اہل حرم
اب شکر کے سجدے کرو پیویں گے آب سرد ہم
اصغر کو لے آو ادھر تم کو پیمبر کی قسم
پہلے سبھوں سے چاہئے سیراب اصغر جان ہو
پھر بعد اصغر کے پئے جو بچہ نادان ہو

باقر کو پانی دیجیو پھر بھائی عبداللہ کو
پھر دختر مسلم جو ہے بہنیا رقیہ اوس کو دو
فرزند پھر عباس کا بھای میرا سیراب ہو
اِس وقت میں پیاسی نہیں مجکو نہ دینا بی بیو
مارے خوشی کے بھوک بھی جاتی رہی اور پیاس بھی
تم سب پئو بابا پئیں اکبر پیئں عباس بھی

اماں پئیں پھوپھیاں پئیں چچیاں پئیں بہنا پئیں
میں بھولی پہلے بی بیو عابد میرے بھیا پئیں
پہلے پلا لینا اونہیں صرفہ نہیں جتنا پئیں
ٹھنڈا جگر ہوجاے گا پانی اگر ٹھنڈا پئیں
لازم ہے آب سرد سے اپنی بجھاکر پیاس کو
قبلہ کی جانب منھہ کرو سب دو دعا عباس کو

احسان ہے عباس کا کسوقت میں پانی دیا
مرتا تھا مارے پیاس کے پانی ملا اصغر جیا
تھے کیسے پپڑاے ہوے لب ہاے شاہ اولیا
عابد کا تھا ہونٹوں پہ دم عباس نے زندہ کیا

قربان میں عباس کے آتے ہیں گھر کس شان سے
جنت کی آتی ہے ہوا اس قتل کے میدان سے

پانی لے آیا نہر سے غازی کا زہرا دیکھنا
کیسا چھکتا ہے پرا پرچم سنہرا دیکھنا
لہرا رہا ہے باد سے سرپر پھرہرا دیکھنا
ہردم کہے گا آفریں فرزند زہرا دیکھنا

صاحب نصیب اے بی بیو عم النبی کا لال ہے
کیا دبدبہ کیا طنطنہ کیاجاہ کیا اقبال ہے

یہ مژدہ سن کر بی بیاں خوش ہوگئیں سجدے کئے
بچے چلے در کی طرف ہاتوں میں کوزے لے لئے
دوڑے حرم کہتے ہوے صد شکر اب بچے جئے
پھر کھول دے آنکھیں ابھی پانی اگر اصغر پئے

صدقے علم بردار کے مردوں کو زندہ کردیا
اس دھوپ میں اس پیاس میں پانی ہمیں لاکر دیا

تھے منتظر اہل حرم نزدیک پہونچے شاہ دیں
نعرہ کیا ایک درد سے روے بہ آواز حزیں
گھبراگئے وہ تشنہ لب سب ہوگئے اندوہگیں
روکر پکارے دور سے یاسبط ختم المرسلیں

عباس غازی کیاہوے اکبر علم کیوں لائے ہیں
ہے ہے غضب کیا ہوگیا کیوں آپ روتے آے ہیں

ھے ھے علم کیوں سرخ ھے پٹکا لہو سے لال ھے
ھے ھے پھرھرا کیوں پھٹتا پرچم کا کیسا حال ھے
ھے ھے یہ مشک خوں چکاں تیروں سے کیوں غربال ھے
ھے ھے کہاں صاحب نشاں ام البنین کا لال ھے

ھے ھے بہادر کیا ہوا ھے ھے دلاور کیا ھوا
حیدر کا دلبر کیا ھوا حضرت کا یاور کیا ھوا

حضرت نے رو رو کر کہا شیر وغا مارا گیا
بازو میرا یاور میرا بھائی میرا مارا گیا
فرزند شاہ لافتی صاحب لوا مارا گیا
عباس غازی صف شکن تنہا لڑا مارا گیا

میرے علم بردار کا میدان میں سر کٹ گیا
میری کمر خم ھوگئی میرا کلیجہ پھٹ گیا

گم ھوگیا ھمدم میرا میں ڈھونڈھنے کو جاوں گا
جیتا ھوا پایا اگر گھر تک اُسے پہونچاوں گا
لاشہ اگر آیا نظر تو بھی اوٹھاکر لاوں گا
جب تک نہ دیکھوں گا اوسے تم کو نہ منہ دکھلاوں گا

غمخوار میرا مر گیا غم کھانے کو زندہ ھوں میں
بھاوج میری بیوہ ھوئی آج اُس سے شرمندہ ھوں میں

یہ کہہ کے شاہ بے کساں در سے پھرے کرتے فغاں
اکبر نے جو دیکھا چلے میداں کو شاہ انس و جاں
سونپا پھوپھی کو وہ علم پیچھے ھوا شہ کے رواں
زینب نے صحن خیمہ میں لے جاکے گاڑا وہ نشاں

روکر پکاری بی بیو عباس کا ماتم کرو
زیر علم سب جمع ھو عباس کا ماتم کرو

بھاوج کا سر گوندھا ھوا کھولا کہا لے خاک ڈال
تو رانڈ بیوہ ھوگئی اقبال کو آیا زوال
اب پھوڑ اپنی چوڑیاں اور ناک میں سے نتھہ نکال
چادر سفید ایک اوڑہ لے اور کر پریشاں سر کے بال
نیچے علم کے بیٹھہ جا منہ ڈھانپ شوھر مر گیا
ام النبی کا لاڈلا فرزند حیدر مر گیا

پھر لائی ننھا سا پسر عباس کا زینب وھاں
زلفیں لٹکتی دوش پر پہنے گلے میں ھنسلیاں
زیر علم بٹھلا دیا رو رو کے با آہ و فغاں
ٹوپی اُتاری اور کہا تو ھے یتیم اے خستہ جاں
چہرے پر اپنے خاک مل زیر علم فریاد کر
تیرا پدر مارا گیا بابا کو اپنے یاد کر

لائی سکینہ کو وھاں پھر دختر خیرالنسا
سکتے کے عالم میں وہ تھی آنکھوں میں ایک آنسو نتھا
اُس کا گریباں پھاڑ کر بولی چچا مارا گیا
فریاد کر ھے ھے چچا ھے ھے چچا ھے ھے چچا
دل کھول کر رو اے بچی چپکی نہ رہ مر جاے گی
ماتم کا یہ سامان ھے اب لاش عم کی آے گی

دیکھا جو یہ سامان غم رونے لگے اھل حرم
تھیں حلقہ باندھے بی بیاں تھا بیچ میں برپا علم
اُس نخل ماتم کے تلے روتے تھے اھل درد و غم
کہتے تھے لاشہ شیر کا آتا ھے اب ھے ھے ستم
اس ننھے سے معصوم پر کیسی مصیبت آگئی
اس پھول سے رخسار پر گرد یتیمی چھا گئی

اس وقت زینب نوحہ کر سر پیٹ کر رونے لگی
شور و فغاں ہونے لگا سینہ زنی ہونے لگی
بچہ بھی رویا پھوٹ کر بیوہ بھی جی کھونے لگی
رو رو سکینہ تشنہ لب اشکوں سے منہ دھونے لگی

فریاد تھی مارا گیا عباس جان مرتضیٰ
ہے ہے جوان مرتضیٰ ہے ہے نشان مرتضیٰ

تھا ننھے ننھے ہاتوں سے سر پیٹتا ننھا پسر
کہتا تھا بابا مر گئے بیکس ہوے ہم بے پدر
اب کیا کریں بیٹھیں کہاں کس سے کہیں جائیں کدھر
درد یتیمی دل میں ہے بیٹھے ہوے ہیں خاک پر

پردیس میں بیکس ہوے گھر دور دادی دور ہے
اب ٹھوکریں کھاویں گے ہم اماں بھی بے مقدور ہے

بالی سکینہ چوم کر منہ اُس بچے کا دم بدم
کہتی تھی اتنا مت کرو ہو صدقے تمہارے ابن عم
بابا تمہارے آئیں گے دیدار پھر دیکھیں گے ہم
غازی کو ہیں لینے گئے اکبر بھی اور شاہ اُمم

در کی طرف تکتے رہو جب لاش حضرت لائیں گے
ہم تم گلے سے دوڑ کر عباس کے لگ جائیں گے

ہم تم ہمیشہ ساتھ ہیں ہم تم نہ ہوویں گے جدا
مل کر ہمیشہ روئیں گے بیٹھیں گے باہم ایک جا
تم کو جو مارے گا کوئی ہم آکے لیویںگے بچا
پہلے پلاویں گے تمہیں پانی اگر ہم کو ملا

ہم نے چچا کو کھودیا اس غم سے دل میں درد ہے
چہرہ ہمارا دیکھ لو شرمندگی سے زرد ہے

اتنے میں نعرہ مارتے رن سے پھرے شاہ زماں
داخل ہوے سر پیٹتے خیمہ کے اندر ناگہاں
گھوڑے کو دوڑاے ہوے ہمراہ اکبر نوجواں
گھوڑا وہ زخمی خونچکاں زخموں سے پیہم خوں رواں
گھوڑے کی صورت دیکھ کر دونا حرم کو غم ہوا
کس دھوم سے شیون ہوا کس جوش سے ماتم ہوا

کہتے تھے نعرہ مار کر عباس کا رہوار ہے
لے اے سکینہ پیار کر عباس کا رہوار ہے
اشکوں سے تر رخسار کر عباس کا رہوار ہے
لا کاہ و خور تیار کر عباس کا رہوار ہے
لے لے بلائیں دوڑ کر اس اسپ خوش رفتار کی
آئی سواری نہر سے ہے علم بردار کی

آیا نظر شبیر کو ننھا سا بچہ ناگہاں
زیر علم سر پیٹتا زلفیں کھلیں آنسو رواں
تکمہ گریباں کا کھلا کرتا پھٹا کرتا فغاں
ہے ہے میرا بابا کہاں ہے ہے میرا آقا کہاں
میں کیا کروں کس سے کہوں بابا کو پاؤں کس طرح
ڈھونڈھوں کدھر جاؤں کہاں بابا کو لاؤں کس طرح

نعرہ کیا شبیر نے کھائیں پچھاڑیں خاک پر
صدمہ ہوا غش آگیا سینہ کو کوٹا اس قدر
زینب نے گودی میں لیا اپنے شہ بے کس کا سر
کلثوم سہلانے لگی تلوے ہوا ٹکڑے جگر
بانو نے چلا کر کہا اہل عزا خاموش ہو
غش آگیا ہے شاہ کو لوگو ذرا خاموش ہو

یہ سن کے دوڑیں بی بیاں کہتی تھیں ھے ھے کیا ھوا
ھے ھے گلاب اس دم کہاں حضرت پہ کیا چھڑکیں بھلا
اے بی بیو پنکھے جھلو کچھہ تو لگے تھنڈی ھوا
بچے کو روتے دیکھہ کر شہ کا کلیجہ پھٹ گیا
بچے کو لے لو گود میں جلدی اتھا ڈالو علم
دل میں قلق ھے شاہ کے لو گو چھپا ڈالو علم

جب آنکھہ کھولی شاہ نے زینب کے منہ پر کی نظر
لے کر بلائیں وہ بہن بولی کہ شاہ بحر و بر
تم صابروں کے شاہ ھو زہرا کے ھو لخت جگر
دل کو سنبھالو بھائی جاں بیتاب مت ھو اس قدر
روے اگر تم اس طرح ھم سب تو پھر مر جائیں گے
مرنا تھا جن کو مر گئے رونے سے کیا پھر آئیں گے

اُس دم اُٹھے باھر چلے خیمہ سے شاہ کربلا
بس اے فصیح خستہ جاں کر ختم غم کا ماجرا
کعبہ کے آگے ھاتھہ اُٹھا کر اپنے محسن کو دعا
نواب ضیغم جنگ کو یارب بحق مصطفا
توفیق دے تائید کر مشغول رکھہ خیرات میں
جتنی صفات خوب ھیں ھوں جمع اُس کی ذات میں

بس اے فصیح اب کر دعا کعبے کے آگے سر اٹھا
یا رب بحق مصطفیٰ یا رب بحق مرتضا
یا رب بحق فاطمہ یا رب بحق مجتبا
یا رب بحق عزت و شان امیر کربلا
مداح آل مصطفیٰ دنیا میں میں مشہور ھوں
محشر کے دن اس نام پر مبعوث ھوں محشور ھوں

سرسید مرحوم کا خط مولانا حالی مرحوم کے نام

(اردو کے پچھلے نمبر میں مکتوبات حالی پر تبصرہ کرتے وقت ہم نے مولانا کے ایک خط کا اقتباس دیا تھا جس میں مولانا نے سرسید کی اُس پرجوش قدر دانی کا ذکر کیا ھے جو مرحوم نے مسدس حالی کی اشاعت پر ظاھر فرمائی تھی- آج ہم اس خط کی نقل یہاں درج کرتے ھیں-اس سے معلوم ھوگا کہ سرسید مرحوم کو مسدس کے مطالعہ سے کس قدر سچی خوشی ھوئی تھی-اڈیٹر)

جناب مخدوم و مکرم من-

عنایت نامہ جات مع پانچ جلد مسدس پہونچے-جس وقت کتاب ھاتھہ میں آئی جب تک ختم نہ ھولی ھاتھہ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ھوئی تو افسوس ھوا کہ کیوں ختم ھوگئی-اگر اس مسدس کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جاوے تو بالکل بجا ھے-کس صفائی اور خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ھوئی ھے بیان سے باھر ھے تعجب ھوتا ھے کہ ایک ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ-جھوٹ-تشبیہات دور از کار سے جو مایہ ناز شعرا و شاعری ھے بالکل مبرا ھے کیوں کر ایسی خوبی اور خوش بیانی اور موثر طریقہ پر بیان ھوا ھے—

متعدد بند اس میں ایسے ھیں جو بے چشم نم پڑھے نہیں جاسکتے-حق ھے جو دل سے نکلتی ھے دل میں اثر کرتی ھے-نثر بھی نہایت عمدہ اور نئے ڈھنگ کی ھے-پرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطف سے اڑایا ھے یا ادا کیا ھے-میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ھے اُس کا شکر کرتا ھوں اورآپ کی محبت کا اثر سمجھتا ھوں-اگر پرانی شاعری کی کچھہ بو اس میں پائی جاتی ھے تو صرف

اُنہی الفاظ میں ہے جن میں میری طرف اشارہ ہے۔ بیشک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو میں اپنے اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ "تو کیا لایا" میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے۔ مسجدوں کے اماموں کو چاہئے کہ نمازوں میں اور خطبوں میں اِسی کے بند پڑھا کریں۔ آپ نے یہ نہیں ارقام فرمایا کہ کس قدر کتابیں چھپی ہیں اور کیا لاگت لگی ہے اور فی کتاب کیا قیمت مقرر کی ہے۔ نہایت جلد آپ ان جملہ امور سے مجھے مطلع فرمائیے اور یہ بھی لکھیئے کہ بعد تقسیم یا فروخت کس قدر کتابیں اب موجود ہیں۔

آپ کے اس خیال کا کہ حق تصنیف مدرسۃالعلوم کو دیا جائے اور رجسٹری کرا دی جائے میں دل سے شکر کرتا ہوں مگر میں نہیں چاہتا کہ اس مسدس کو جو قوم کے حال کا آئنہ یا اُن کے ماتم کا مرثیہ ہے کسی قید سے مقید کیا جائے۔ جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈوں پر گاتے پھریں اور رنڈیاں مجلسوں میں طبلہ سارنگی پر گاویں۔ قوال درگاہوں میں گاویں۔ حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاویں اُسی قدر مجھکو زیادہ خوشی ہوگی۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ دھلی میں ایک مجلس کروں جس میں تمام اشراف ہوں اور رنڈیاں نچواوں مگر وہ رنڈیاں بھی مسدس گاتی ہوں۔ مین اس کل مسدس کو تہذیب الاخلاق مین چھپواوں گا۔ میرے اُن استفسارات کا جواب جن پر نشان درج کر دیا ہے بہت جلد مرحمت ہو۔ والسلام۔

شملہ۔ پارک ہوٹل
۱۰۔ جون سنہ ۱۸۷۹ع

خاکسار آپ کا احسان مند تابعدار
سید احمد

تلسی داس کی شاعری

از

(جناب مولوی وحیدالدین سلیم صاحب پروفیسر کلیۂ جامعۂ عثمانیہ)

تمہید

ہماری زبان اُردو کے تقریباً پچیس ہزار الفاظ قلمبند ہو چکے ہیں-ان میں نصف سے زیادہ یعنی چالیس ہزار کے قریب ایسے الفاظ ہیں جو یا تو ہندی ہیں یا ہندی کے ساتھ غیر زبانوں کے الفاظ ملا کر بنائے گئے ہیں یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا مگر ہندی اور اُردو زبانوں کا ادب الگ الگ ہے-ہندؤں کے ادب میں جو خوبیاں ہیں اُردو زبان اُن سے محروم رہی-سنسکرت زبان دنیا کی وسیع ترین زبانوں میں ہے اور اُس کا درجہ لاطینی-یونانی اور عربی سے کم نہیں ہے-یورپ کی زبانوں نے جو ترقی یافتہ کہلاتی ہیں لاطینی اور یونانی زبانوں کے ادب سے فائدہ اُٹھایا ہے کیونکہ لاطینی اور یونانی اُسی براعظم کی زبانیں تھیں جن میں یہ ترقی یافتہ زبانیں بولی جاتی ہیں-مگر ہماری زبان نے جس براعظم یعنی ایشیا میں نشو و نما حاصل کی اُس کی دو بڑی زبانوں یعنی عربی اور سنسکرت میں سے صرف عربی زبان کے ادب سے کچھ فیض حاصل کیا ہے-سنسکرت کے ادب سے اُس نے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا-لاطینی اور یونانی کی طرح سنسکرت زبان بھی مرگئی یعنی کہیں بولی نہیں جاتی-مگر جو زبانیں اس سے مشتق ہوئیں

یعنی ہندی-مرہٹی-گجراتی-بنگالی وغیرہ اُن کے ادب کا اثر بھی اُردو زبان پر نہیں پڑا-حالانکہ اُردو کے رقبہ کے ساتھہ ان زبانوں کا رقبہ اتصال رکھتا ہے اور ان زبانوں کے بولنے والے اُردو بولنے والوں کے ساتھہ برابر ملتے جلتے اور آپس میں رسم و راہ رکھتے ہیں-اگر ان زبانوں کے ادب کا اثر ہماری زبان پر پڑتا تو اس میں ذرا شک نہیں اُردو زبان کو صحیح معنوں میں ملکی زبان ہونے کا فخر حاصل ہو جاتا اور ہندؤں کو مسلمانوں کی طرح اس زبان کے مالک ہونے کا یکساں حق ہوتا —

اردو زبان کی اس محرومی کے اسباب کچھہ ہی ہوں مگر بلا شبہ یہ محرومی بدقسمتی کی علامت ہے اس سے ہماری زبان کے ادب کو جو نقصان پہنچا وہ کچھہ کم نہیں ہے-انگریزی-فرانسیسی اور جرمنی زبانیں جو آج ترقی یافتہ زبانیں کہلاتی ہیں سب اپنی قریب کی زبانوں کے ادب سے مالا مال ہوئی ہیں اور اسی سبب سے ہر قسم کے خیالات ادا کرنے کی گنجایش رکھتی ہیں-ہم اس ملک میں رہتے ہیں اور ہندؤں کے ساتھہ ہمارا چولی دامن کا ساتھہ ہے صدیاں گزر گئی ہیں کہ ایک ہی آب و ہوا میں ہم دونوں کی پرورش ہوتی ہے اور ایک ہی زمین پر ہمارے مردے گاڑے جاتے یا جلاے جاتے ہیں اس ملک کا گوشہ گوشہ ہم دونوں قوموں کے تمدن کی علامتوں سے بھر پور ہے تاہم ایک دوسرے سے ہم بے خبر ہیں-ایک دوسرے کے خیالات سے بے پروا ہیں-ایک دوسرے کے جذبات سے نا بلد ہیں-نہیں جانتے کہ ہماری ہمسایہ قوموں نے علم و فن کے میدانوں میں کیا جولانیاں دکھائی ہیں-ہم کو اس بات کا مطلق علم نہیں ہے کہ ان قوموں کے ادب میں کیا خوبیاں ہیں اور شاعری اور انشا پردازی میں انہوں نے کس حد تک ترقی کی ہے-اگر آج ہماری زبان میں ہندؤں کے ادب کا عکس بھی نظر آتا تو پھر ممکن نہ تھا کہ ہندو قومیں ہماری زبان و ادب سے اور خود ہم سے نفرت کرتیں اور آج کل کے دردناک ہنگامے

برپا ہوتے۔مشترک زبان اور مشترک ادب ہی ایک ایسی چیز ہے جو اتحاد کا سب سے بڑا آلہ ہے۔کاش ہمارے شعرا اور انشا پرداز اس غلطی کو محسوس کریں اور اس کی تلافی پر کمر باندھیں اور فیاضی اور رواداری کے ساتھ ایک مشترک ادب پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ہندؤں نے جن زبانوں میں شاعری اور انشا پردازی کا کمال دکھایا ہے ان سب میں ہندی زبان ہم سے بہت قریب ہے۔اس زبان میں بڑے بڑے با کمال شاعر ہو گزرے ہیں۔ہندی گیت تو اکثر زبانوں پر ہیں جن کی شیرینی کو ہم بین طور پر محسوس کرتے ہیں مگر ہندی شاعری کا سایہ اب تک ہماری زبان پر نہیں پڑا ہے۔ہندی دانوں کا فرض ہے کہ سب سے پہلے اس کمی کو پورا کریں اور ہندی شاعروں کے تخیلات سے اُردو زبان کو مالا مال کر دیں۔چنانچہ ہم سب سے پہلے ہندی زبان کے نامور شاعر ''تلسی داس'' کے کلام پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔تلسی داس ایک زندہ جاوید شاعر ہے۔اُس کا نام اور اُس کا کلام کبھی مر نہیں سکتا۔اس نے راماین لکھ کر ہمیشہ کے لئے اپنے تخیل کی گونج ہندی ادب کی فضا میں پیدا کر دی ہے بچہ بچہ اُس کے نام سے واقف ہے رامائن کی کتھا اس ملک کے گوشے گوشے میں نہایت شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنی جاتی ہے اور سننے والے اُس کی شاعری پر وجد کرتے نظر آتے ہیں۔

رامایَن

رامایَن سمت ۱۶۳۱ میں لکھی گئی ''بال کانڈ'' میں جو رامایَن کا سب سے پہلا باب ہے خود تلسی داس نے یہ تاریخ بتائی ہے۔اس کتاب کی زبان ہندی زبان کی اُس شاخ سے تعلق رکھتی ہے جس کو اودھی زبان کہتے ہیں۔اُس کے بابوں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

''بال کانڈ'' اس میں رامچندر جی کی ولادت اور عالم طفولیت کا ذکر ہے رامچندر جی کی شادی کا نقشہ بھی اسی باب میں کھینچا ہے

"اجودھیا کانڈ" اس باب میں رامچندر جی کو بنو باس ملنے کا ذکر ہے۔ آخر میں یہ ذکر بھی ہے کہ بھرت جی اپنے بھائی سے ملنے اور اُن کو واپس لانے کے لئے جنگل میں پہنچے مگر رامچندر جی نے اُن کو سمجھا کر واپس کر دیا —

"آرینہ کانڈ" آرینہ کے معنے جنگل کے ہیں۔اس باب میں رامچندر جی کے جنگلوں میں پھرنے اور بود و باش کرنے کا ذکر ہے اسی میں سیتا جی کے ہرے جانے کا بیان آتا ہے —

"کسکندھا کانڈ" کسکندھا ایک پہاڑ کا نام ہے جو میسور کے شمال میں ہے یہاں بندروں کا بادشاہ بالی رہتا تھا۔اس باب میں رامچندر جی کے اس مقام پر پہنچنے اور بندروں کے کے بادشاہ سے ملنے کا ذکر ہے —

"سندر کانڈ" اس باب میں رامچندر جی بندروں کی فوج ساتھہ لیکر لنکا کے مقابل سمندر کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور ھنومان جی لنکا میں سیتا جی کو دیکھہ کر واپس آتے ہیں —

"لنکا کانڈ" اس باب میں رامچندر جی سمندر سے پار ہو کر لنکا میں پہنچ جاتے ہیں۔راون سے جنگ ہوتی ہے اور وہ مارا جاتا ہے —

"اُتر کانڈ" اس باب میں لنکا کی فتح کے بعد رامچندر جی کے واپس ہونے اور اجودھیا میں پہنچنے اور تخت نشین ہونے کا ذکر ہے —

ہر باب کے شروع میں تلسی داس نے اشلوک لکھے ہیں جن میں رامچندر جی کی مدح و ستایش ہے پھر اشعار ہیں جن کو چو پائیاں کہتے ہیں۔ان میں ان کی

سرگزشت بیان کی ہے اور اپنی شاعری کا کمال دکھایا ہے چوپائیوں کی بحر چھوٹی اور نہایت دل کش ہے اور خاص لہجے میں گا کر پڑھی جاتی ہے۔جس کو سن کر عام طور سے لوگ جھومنے لگتے ہیں۔ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہیں اور ایک مصرع کے قافیوں کو دوسرے شعر کے قافیوں سے تعلق نہیں۔گویا یہ ایک مثنوی ہے اور حقیقت میں یہی وہ صنف ہے جس میں لمبی لمبی داستانیں بیان کر سکتے ہیں۔فارسی میں تمام قصے اسی شکل میں نظم کئے گئے ہیں۔اس نظم کے درمیان کہیں کہیں دوہے آتے ہیں یہ بھی چھوٹی بحر میں ہیں۔ان میں چار مصرعے ہیں قطعہ کی طرح صرف آخر کے مصرعوں میں قافیے ہیں۔ان کے علاوہ کہیں کہیں لمبی بحر کے چھند بھی آتے جاتے ہیں یہ بھی چار مصرعے ہیں۔ہر دو مصرعے مثنوی کے اشعار کی طرح ہم قافیہ ہیں—

شاعری کی رفتار اور اس کے غایت

(۱) تلسی داس جس زمانے میں تھے اس میں ہندی شاعری صنعتوں اور ندرتوں کا نمونہ تھی قدم قدم پر تلسی داس نے ان صنعتوں کو استعمال کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان کو ان صنعتوں کے استعمال پر پوری قدرت ہے۔ان صنعتوں کا وہی لوگ لطف اُٹھا سکتے ہیں جو اصل متن کو ہندی زبان میں پڑھیں—

(۲) جب کسی بات کو وہ مثال کے پیرایہ میں بیان کرتا ہے تو ایک مثال پر قناعت نہیں کرتا۔پے در پے کئی مثالیں لاتا ہے اور شاعرانہ استدلال سے اپنے دعوے کو ثابت کرتا ہے۔فارسی میں صایب مثالیہ شاعری کا اُستاد خیال کیا جاتا ہے مگر اس کے کلام میں بھی ایک دعوے کے لئے کئی کئی مثالوں کی مثال نہیں ملتی—

(۳) تشبیہیں نہایت دل چسپ اور پاس کی چیزوں کی دیتا ہے جو لوگوں کی نظر کے سامنے ہیں یا ان کے خیال میں موجود ہیں۔یہی حال استعاروں

کا ہے۔ اکثر تشبیہیں اور اکثر استعارے نئے ہیں جن سے ہمارا ادب خالی ہے —

(۴) مبالغہ بھی اس کے کلام میں جا بجا ہے مگر جس طرح ہم مرثیوں کے مبالغوں کو مبالغے نہیں سمجھتے بلکہ حقیقت شاعرانہ سمجھتے ہیں اسی طرح راماین کے مبالغوں کو بھی مبالغے نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ ہندو مذہب کے ماننے والے ان تمام عجیب کارناموں کو جو رامچندر جی اور ہنومان جی سے ظہور میں آئے بطور معجزات و کرامات کے صحیح جانتے ہیں اور شاعر کا فرض ہے کہ عوام کے اعتقادات کو اپنی شاعری کی بنیاد قرار دے اور ایسی تمام باتوں کو اس طرح بیان کرے جس طرح کہ وہ حقایق کو بیان کرتا ہے۔ ورنہ جو لوگ اُس کی شاعری کے مخاطب ہیں اُن کے دلوں کو وہ تسخیر نہیں کر سکتا —

(۵) ہندو قوم میں جو عجیب اور دلچسپ قصے اُس زمانے میں مشہور تھے اُن کی طرف تلسی داس نے بے تکلف اشارے کئے ہیں اور اُن کو بطور تلمیح کے اپنی شاعری میں داخل کیا ہے۔ یہ تمام تلمیحات ہندو ادب کی جان ہیں —

(۶) بیچ بیچ میں رامچندر جی کی زبان سے ہندو فلسفہ کے مسایل بیان کرائے ہیں۔ یہی وہ تعلیم ہے جس پر ہندو قوم کی زندگی اور موت کا مدار ہے اور جس کی جھلک آج تک اِس قوم کے تخیلات و احساسات میں پائی جاتی ہے اور اگر سچ پوچھو تو تلسی داس کی شاعری کا مقصد انہیں اعلیٰ اور لطیف خیالات کا اظہار ہے —

۷) رام بھگتی ایک پرجوش جذبہ ہے جو تلسی داس کے سینے میں اُبل رہا ہے۔ لفظ لفظ سے یہ جذبہ ٹپکتا ہے۔ یہ شاعر اس جذبہ کے اظہار سے کبھی نہیں تھکتا۔ ناواقف اور بے پروا سننے والے ممکن ہے کہ اس جذبہ کے پیہم اظہار سے اُکتا جائیں۔ مگر اس شاعر کے دل کی آگ دھیمی نہیں ہوتی۔ وہ اس شراب سے مست ہے۔ وہ اس راگ سے بیخود ہے۔ اُس کی رگ رگ سے یہ صدا نکلتی ہے۔ ممکن نہیں کہ جو چیز تلسی داس کے دل سے ٹکرا کر نکلتی ہے اُس کا اثر

سامعین پر نہ ہو۔

(۸) برھمنوں کی عظمت بھی شاعر کے دل میں بیحد ہے۔اُس کو جو موقع اُن کی عظمت کے اظہار کا ملتا ہے اُس سے وہ کبھی غفلت نہیں کرتا۔ وہ بار بار اُن کی مخالفت سے لوگوں کو ڈراتا ہے۔اُن کی بددعاؤں کو ایسے تیر بتاتا ہے جونشانے سے کبھی خطا نہیں کرتے۔اُن کی اطاعت کرنے اور اُن کی هدایتوں پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔

(۹) وہ رامچندر جی۔سیتا جی۔لچھمن جی اور بھرت جی کی زندگی کو بطور اعلیٰ نمونہ کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔سیتا جی کی زندگی عورتوں کے لئے شوہرپرستی کی اعلیٰ مثال ہے۔لچھمن جی اور بھرت جی کی مثالیں بھائی پن کی حیثیت سے قابل تقلید ہیں۔غرضکہ رامچندر جی کی سرگزشت کو تلسی داس نے ایسے پیرایہ میں پیش کیا ہے کہ اُس سے لوگوں کو زندگی کے اعلیٰ سبق حاصل ہوں۔ان کے علاوہ اور بھی اشخاص داستاں ہیں جن کے اعمال کا اثر لوگوں کی زندگی پر پڑ سکتا ہے۔

(۱۰) اگرشاعر کوکسی واقعہ کا معمولی علم ہو تو وہ اُس واقعہ کے وقت اور ماحول پر غور کرتا ہے اور وقت اور حال کے مطابق جواجزا اُس واقعہ کے لئے ضروری ہوں اُن کو اپنے تخیل سے پورا کرتا ہے۔اس سے واقعہ کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔اس کوشاعری کی زبان میں واقعہ نگاری کہتے ہیں۔تلسی داس کو اس فن میں کمال حاصل ہے اور اسی ملکہ کی بدولت وہ جس واقعہ کی تصویر کھینچتا ہے وہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ہمارے هاں یہ کمال انیس کو حاصل ہے۔جس طرح انیس نے معرکۂ کربلا کے ہرواقعہ کی تصویر اپنے تخیل سے کھینچی ہے اسی طرح تلسی داس نے راماین میں بہت سے واقعات کو قوت متخیلہ سے کام لیکر مکمل کر دکھایا ہے۔

(۱۱) منظرنگاری کا تعلق خارجی شاعری سے ہے۔اس میں بھی تلسی داس

کو پوری مہارت ہے۔ اُس نے راماین میں ہندوستان کے اُن پہاڑوں۔ دریاؤں۔ جھیلوں۔ جنگلوں اور سبزہ زاروں کی ہوبہو تصویریں کھینچی ہیں جن سے رامچندرجی گزرے ہیں۔ منظر نگاری میں بعض بعض موقعوں پر ایک خاص کمال تلسی داس نے اور دکھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ کبھی تو اُس نے ایک قدرتی منظر کو کسی ایسے شاندار منظر سے تشبیہ دی ہے جو عالم انسانی سے تعلق رکھتا ہے اور کبھی عالم خارجی کو عالم باطنی سے تشبیہ دیکر دونوں کو منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اور پڑھنے والوں کو اُس سے خاص لطف حاصل ہوتا ہے ــــ

غرضکہ مجموعی طور سے تلسی داس کی شاعری شکل و صورت کے لحاظ سے نہایت خوشنما اور دلکش ہے وہ صنعتوں کے زیور سے آراستہ ہے۔ مثالوں۔ تشبیہوں اور استعاروں سے لبریز ہے۔ ہندو ادب کی تلمیحوں سے مالا مال ہے۔ ہندو فلسفہ کے اعلیٰ خیالات جو اس میں ظاہر کئے گئے ہیں اُن کی مدد سے انسان اپنی سطح سے بلند ہوکر عالم بالا میں پہونچ جاتا ہے۔ رام پرستی کا جو پر جوش ولولہ اُس میں نمایاں کیا گیا ہے اُس سے پڑھنے والے اور سننے والے مست و سرشار ہوجاتے ہیں۔ اُن کے دل رام چندر جی کے مقدس خاندان کے افراد کو آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا دیکھہ کر ادب اور عظمت سے بھر پور ہوجاتے ہیں۔ تلسی داس کے تخیل نے رامچندر جی کی سرگزشت کے جن واقعات اور جن مناظر کی تصویریں کھینچی ہیں اُن کے نظارہ سے مطالعہ کرنے والے خود بخود جھومنے لگتے ہیں ــــ

اگرچہ تلسی داس کی راماین کا اصلی لطف وہی اُٹھا سکتے ہیں جو اس دلچسپ نظم کو ہندی زبان کی عینک لگا کر دیکھیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ اُردو زبان میں تلسی داس کی شاعری کے چند نمونے اس مضمون کے ناظرین کو دکھائیں۔ یقین ہے کہ اُنہیں بھی لطف آے گا۔ جس طرح انگریزوں۔ فرانسیسیوں اور جرمانیوں نے دنیا کی زبانوں کے ادب اپنی زبانوں کے

سانچے میں ڈھال لئے ہیں۔اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ دنیا کی ہر قدیم و جدید زبان کے ادب کو اپنی زبان کا لباس پہنائیں اور اُسے اہل ملک کے مطالعہ کے لئے پیش کریں۔ایسا کرنے سے ہماری زبان کا ادب دنیا کے بڑے بڑے انشا پردازوں اور شاعروں کے خیالات سے مالا مال ہو جائے گا اور ارتقا کا درجہ حاصل کرے گا۔ملک کی نوجوان نسلیں جو دنیا کی مختلف زبانوں کا مطالعہ کرنے میں مشغول ہیں اُن کی تعلیم کی غایت یہی ہونی چاہئے اور اُنہیں یہی مقصد ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے—

طنزیہ

تلسی داس نے رامائن کے شروع میں رام چندر جی کی سرگزشت چھیڑنے سے پہلے اُن لوگوں کی خبر لی ہے جو حسد سے اُس کی شاعری پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔مگر متانت کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں دیا۔ذرا شاعر کے اس نادر اور دلفریب طنزیہ پر نظر ڈالو—

”میں حاسدوں اور بد اندیشوں کی بھی مدح و ثنا کرتا ہوں جو اپنا رخ پلٹ کر بھلائی کی جگہ برائی کرنے لگتے ہیں۔جو دوسروں کی عزت برباد ہونے میں اپنا نفع سمجھتے ہیں۔جو لوگوں کے گھروں کو اُجڑتا دیکھ کر خوشی مناتے ہیں۔جو کسی کا گاؤں آباد ہونے سے دل میں رنجیدہ ہوتے ہیں۔خدا کا نام لینے والوں کے لئے وہ ایسے ہیں۔جیسے چاند کے لئے راہو (راہو چاند کی ایک منزل کا نام ہے۔یہ ایک دیت تھا۔جب سمندر کو متھنے سے آب حیات نکلا تو وشنو جی نے دیوتاؤں کو آب حیات پلایا۔مگر دیتوں کو محروم رکھا۔راہو دیوتاؤں میں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔اُس نے بھی آب حیات پیا۔مگر سورج اور چاند نے اُس کا راز کھول دیا اور وشنو جی نے اس کو سزا دی۔اب راہو سورج اور چاند سے انتقام لینے کے لئے اُن کو دباتا ہے اور اسی حالت کو سورج گہن اور چاند گہن کہتے ہیں)

وہ لوگوں کے عیبوں کو ہزار آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ دوسروں کا کام بگاڑنے کے لئے اس طرح مرنے پر تیار رہتے ہیں جس طرح گھی میں مکھی۔ اُن کا ملنا کیتو کے طلوع کی مانند سب کے لئے برا ہے۔ (کیتو چاند کی نویں منزل ہے۔ یہ ایک ستارا ہے اور اُس کا نکلنا منحوس خیال کیا جاتا ہے)۔ اس لئے اگر وہ کُم کرن کی طرح سوتے ہی رہیں۔ تو بہتر ہے (کُم کرن لنکا کے حکمراں راون کا بھائی تھا جو چھہ مہینے سوتا اور ایک دن جاگتا تھا)۔ پالے اور اولے کی طرح وہ لوگوں کی کھیتیاں تباہ کرکے خود بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ میں اُن کو شیش جی سمجھہ کر اُن کی تعریف کرتا ہوں کہ جس طرح وہ ہزار منہ سے حمد الٰہی کرتے ہیں اسی طرح یہ ہزار منہ سے لوگوں کے عیب بیان کرتے ہیں (شیش سانپوں کا راجہ ہے جس کے ہزار سر ہیں اور جو پاتال یعنی تحت الثریٰ میں رہتا ہے)۔ میں اُن کو اندر دیوتا سمجھہ کر سلام کرتا ہوں کہ جس طرح وہ بجلی کا ہتھیار بجر چلانا پسند کرتے ہیں اسی طرح یہ زبان کا ہتھیار چلاتے رہتے ہیں۔ میں دونوں ہاتھہ جوڑ کر اُن کے آگے سر جھکاتا ہوں۔ مگر میری منت خوشامد سے وہ اپنی عادت نہ چھوڑیں گے۔ جس طرح کوا اگر کھیر کھلا کر پالا جائے تو بھی وہ گوشت کھانا ترک نہیں کرتا۔۔۔

کنول اور جونکیں دونوں ایک ہی پانی میں جنم لیتے ہیں۔ مگر دونوں اپنی اپنی صفت رکھتے ہیں۔ سادھو یعنی نیک آدمی آب حیات۔ چاند اور گنگا جی کی طرح لوگوں کے لئے راحت رساں ہیں۔ مگر بد اندیش اور حاسد لوگ زہر۔ آگ اور کرم ناشا ندی کی طرح سب کو دکھہ دینے والے ہیں (کرم ناشا ایک ندی کا نام ہے جس کے دیکھنے سے نیک اعمال برباد ہو جاتے ہیں)۔ بد اندیش لوگ اور سادھو برائیوں اور بھلائیوں کے نا پیدا کنار سمندر ہیں جن کی تھاہ نہیں ملتی۔ خدا نے اس دنیا میں بھلائیاں اور برائیاں دونوں ملی جلی پیدا کی ہیں جن لوگوں کی فطرت نیک ہے وہ ہنس کی طرح دودھ کو پی جاتے

ھیں اور پانی کو چھوڑ دیتے ھیں (یہ ھنس کی خاصیت ھے)۔

صحبت نیک و بد

تلسی داس نے ایک مقام پر مثالیہ شاعری کا نمونہ دکھایا ھے اور نیک اور بد صحبت کا خاکہ اس طرح کھینچا ھے ۔

"ھوا کی صحبت سے خاک آسمان پر چڑھ جاتی ھے اور پانی کی صحبت سے کیچڑ بنکر نیچے بیٹھ جاتی ھے۔شریفوں کے گھر کے پلے ھوے طوطے رام کا نام لیتے ھیں اور نالائقوں کے گھر کے پلے ھوے گالیاں دیتے ھیں۔دھواں لکڑی کی صحبت سے کلونس بن جاتا ھے اور تیل کی صحبت سے سیاھی بن جاتا ھے جس سے پران لکھے جاتے ھیں۔پھر وہ ھی دھواں (یہاں آبی بخارات مراد ھیں) پانی اور آگ سے مل کر بادل بن جاتا اور تمام دنیا کو زندگی بخشتا ھے۔پانی جو گھڑوں میں رکھا جاتا ھے پینے کے لایق ھوتا ھے مگر جب نالیوں میں بہتا ھے تو گندہ اور خراب ھو جاتا ھے۔ھوا پھولوں سے مل کر معطر ھوتی ھے مگر گندی چیزوں کی صحبت سے بدبودار ھوجاتی ھے۔زری کا لباس دولھا کے بدن پر خوشنما معلوم ھوتا ھے مگر مردے کے بدن پر کفن ھو جاتا ھے"۔

کام دیو کا حملہ مہادیو جی پر

کام دیو عشق کا دیوتا ھے جو یونانیوں کے دیوتا کیوپڈ سے مشابہ ھے۔اُس کی کمان اور تیر پھولوں سے آراستہ ھیں۔دیوتاؤں کے کہنے سے اُس نے مہادیو جی کو پاربتی کے ساتھ شادی کرنے کی ترغیب دلائی تھی مگر اُس کی اس حرکت سے ناراض ھو کر مہادیو جی نے اُس پر غضب کی نظر ڈالی اور اُس کو جلا کر خاک کر دیا۔تلسی داس نے کام دیو کے حملے کی تصویر اس طرح کھینچی ھے ۔

"کام دیو پھولوں کی کمان لیکر اپنی فوج سمیت چلا۔ایمان کی فوج جس میں تجرد۔تصوف۔عبادت۔طہارت و پاکیزگی۔وتقویٰ و پرھیزگاری شامل ھیں اُس کے سامنے سے بھاگ نکلی۔بڑے بڑے صوفی۔سادھو۔عابد اور زاھد پہاڑوں کی

گپھاؤں میں جا دبکے۔ دنیا میں کھل بلی مچ گئی۔ تمام زندہ مخلوق ہوا و ہوس کی اُمنگوں میں بدمست ہو گئی۔ درختوں کی ٹہنیوں کو دیکھ کر گدے جھکنے لگے۔ ندیاں اُبل اُبل کر سمندر کی طرف چلیں۔ جھیلیں اور تالاب جوش کھا کر ایک دوسرے سے ملنے کو دوڑے۔ جانور اور پرند۔ آسمان۔ زمین اور ہوا کے تمام رہنے والے اپنا اپنا کام چھوڑ کر عیش و عشرت میں مشغول ہوگئے۔ چکوا چکوی نے رات اور دن کی تمیز چھوڑ دی۔ دیو۔ راکشش۔ گندھرپ۔ پربت۔ پشاچ۔ بھوت اور بیتال کی حالت تو کیا بیان کی جائے۔ کیوں کہ یہ تو سدا سے کام دیو کے چیلے ہیں (پشاچ اور بیتال خبیث روحیں ہیں اور یہ وہاں ہوتی ہیں جہاں مردے جلائے جاتے ہیں۔ گندھرپ نیم دیوتا ہیں جو ناچتے گاتے رہتے ہیں)۔ وہ لوگ جو تمام دنیا میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں اب اُن کو ہر طرف عورت کا جلوہ نظر آنے لگا۔ مردوں کو تمام چیزیں عورت کے روپ میں اور عورتوں کو تمام چیزیں مرد کے روپ میں دکھائی دینے لگیں۔ غرض کہ دو گھڑی تک تمام دنیا میں یہی تماشا رہا۔ یہاں تک کہ کام دیو مہادیو کے قریب پہنچا اُن کی عبادت میں محویت اور استقلال کو دیکھکر کام دیو لرز گیا۔ اُس کو اپنی موت نظر آنے لگی مگر اُس نے کچھ دل میں سوچ کر بسنت کا موسم پیدا کر دیا جس کے سبب درختوں میں نئے پھول نکل آئے۔ باغ اور تالاب خوبصورت نظر آنے لگے۔ تمام فضا ایسی حسین ہو گئی کہ اُس کو دیکھکر لوگوں کے دلوں میں اُمنگیں اُٹھنے لگیں۔ مردہ دلوں میں بھی جذبات جاگ اُٹھے۔ صحرا کا حسن و جمال بیان میں نہیں آسکتا۔ ہوا کی لہریں خوشبو کے بوجھ سے مست ہوگئیں تالابوں میں کنول کھل گئے۔ بھونروں کے جھنڈ کے جھنڈ گونجنے لگے۔ خوبصورت ہنس۔ کویلیں اور طوطے رسیلی آواز سے بولنے لگے۔ اندر کی بہشت کی حوریں رقص کرنے لگیں۔ کام دیو نے سب تدبیریں کیں مگر مہادیو جی نے سمادھی نہیں چھوڑی۔ اُنہوں نے مراقبہ سے گردن نہیں اٹھائی اس پر کام دیو کو غصہ

آگیا وہ آم کی ایک موٹی سی ٹہنی دیکھہ کر اُس پر چڑہ گیا۔ پھولوں کی کمان ہاتھہ میں لی اور اُس کو کانوں تک کھینچ کر چلا چڑھایا اور پانچ تیر پے درپے چھوڑے جو مہادیو جی کے دل میں جاکر بیٹھے۔ سمادھی چھوٹ گئی۔ آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ جب آم کے پتوں میں کام دیو نظر آیا تو اُن کو ایسا غصہ آیا کہ تینوں لوک کانپنے لگے۔ اُنھوں نے یکایک اپنی تیسری آنکھہ کھولی (جو پیشانی کے درمیان ہے) اور جلال کی نظر سے دیکھا۔ کام دیو جل کر راکھہ ہو گیا''۔

بھگوان اپنے اصلی روپ میں

سویمبھو منو اور شت روپا (یعنی انسان اول اور اُس کی بیوی) کو جنھوں نے بھگوان کو اُس کے اصلی روپ میں دیکھنے کے لئے طویل زمانے تک عبادت کی تھی بھگوان جس شکل میں نظر آئے اُس کا دلفریب عالم تلسی داس نے یوں دکھایا ہے۔

''بدن کا رنگ نیلے کنول۔ نیلے جواہر اور نیلے بادل جیسا ہے۔ کروڑوں کام دیو اس حسین جسم کی رعنائی دیکھہ کر شرمندہ ہوتے ہیں۔ چہرہ موسم خزاں کے پورے چاند کے مانند ہے۔ رخسارے نہایت خوبصورت اور ٹھوڑی نہایت دلکش ہے۔ گردن شیر کے مانند ہے۔ ہونٹ سرخ ہیں۔ ناک اور دانت دلفریب ہیں۔ ہنسنا چاند کی کرنوں کو شرمندہ کرتا ہے۔ چتون ایسی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے بھویں کام دیو کی پھولوں کی کمان کو مات کرتی ہیں۔ ماتھے پر جو تلک ہے وہ بجلی کی طرح کوند رہا ہے۔ سر پر تاج ہے۔ گھونگر والے بال ہیں۔ گویا بھونروں کے جھنڈ ہیں۔ گلے میں مالا اور جواہرات کا ہار ہے۔ شیر جیسے کندھے ہیں۔ جن پر جنیو پڑا ہے بازو بھی نہایت خوشنما اور سڈول ہیں اور ہاتھی کی سونڈ کے مانند ہیں۔ کمر پر ترکش ہے اور ہاتھہ میں کمان ہے۔ زرد رنگ کا

چھکتا لباس ہے۔جو بجلی کو شرماتا ہے۔پیٹ پر تین خط ہیں۔ناف ایسی دلربا ہے گویا جمنا کے پانی میں بھنور پڑ رہا ہے۔پاؤں کنول کے پھول ہیں جن کے اندر انسانوں کے دل بھونرے کی طرح گردش کھارہے ہیں۔اس حسن کے سمندر کو دیکھ کر دونوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔خوشی میں ایسے مگن ہوے کہ تن بدن کا ہوش نہیں رہا''—

رام کا عہد طفولیت

رام چندر جی کے عالم طفولیت کا نقشہ بھی تلسی داس نے نہایت دلفریب کھینچا ہے۔جو حسب ذیل ہے:۔

''رام کے بدن میں کروڑوں کام دیووں۔کروڑوں کنول کے پھولوں اور نیلے بادلوں کا حسن جلوہ گر ہے۔پاؤں ایسے ہیں جیسے لال کنول ہوں۔پاوں کے ناخن ایسے خوش نما ہیں گویا کنول کے پتوں پر موتی بکھیر دیے ہیں۔لال تلووں میں بجر اور انکس کے نشان ہیں۔کمر میں مگدنی پڑی ہے۔پیٹ پر تین نشان ہیں۔ناف گہری ہے۔بازو بڑے بڑے اور زیوروں سے مزین ہیں۔گلے میں جواہرات کا ہار ہے جس کے بیچ میں کہیں کہیں ہیرے جڑے ہیں۔گلے میں سنکھ جیسے تین خط ہیں۔تھوڑی نہایت خوبصورت اور دلربا ہے۔چہرہ پر مدن دیوتا کام دیو کا دوسرا نام ہے) کا حسن ہے۔سفید دانت لال لال ہونٹوں میں کیا ہی زیب دیتے ہیں۔ناک اور تلک کا حسن تو بیان ہی میں نہیں آسکتا۔دونوں کان اور دونوں گال کیا ہی سندر ہیں۔توتلی زبان سے باتیں کرنا کیا ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔دونوں آنکھیں دو نیلے کنول ہیں۔بھویں تیڑھی ہیں۔ماتھے کا زیور کیسا دلفریب ہے۔سر کے بال چکنے۔تیڑھے اور گنجان ہیں۔جن کو ماں نے طرح طرح سے سنوارا ہے۔چھنگونسی پہنے ہاتھوں کے بل زمین پر چلنا کیا ہی پیارا معلوم ہوتا ہے۔شیش ناگ بھی اس حسن کو بیان نہیں کرسکتے''—

جنک پور کی عورتوں کی چہ میگوئیاں

جنک پور میں جو مہاراجہ جنک کا دارالحکومت ہے سیتا جی کی شادی کے لئے سویمبر کی رسم ہونے والی ہے۔راجا مہاراجہ اس رسم کے موقع پر جمع ہوے ہیں۔رام اور لچھمن بھی سیر کرتے یہاں آنکلے ہیں۔جب وہ بازار کی سیر کو جنک پور میں نکلے تو اُن کو دیکھ کر وہاں کی عورتوں نے طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیں۔اس کا بیان تلسی داس نے رامائن میں اس طرح کیا ہے—

" عورتیں مکانوں کے جھروکوں سے رام کے سروپ کو دیکھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان کا حسن و جمال تو کام دیو کو بھی لبھاتا ہے۔دیوتاؤں میں ایسا حسن کسی نے نہیں دیکھا۔کون سا دیوتا ہے جس کے حسن کو اِن کے حسن سے تشبیہ دے سکیں۔دونوں نوجوان ہیں۔سراپا حسن و جمال ہیں۔ایک سانولا ہے۔دوسرا گورا۔مگر دونوں کی خوبصورتی ایسی ہے کہ اگر کام دیو کو ان پر سے وارکر پھینک دیں تو بجا ہے۔کون ہے جو اِن کے روپ کو دیکھ کر فریفتہ نہ ہوگا"—

" ایک کہتی ہے۔سکھیو! میں نے سنا ہے کہ یہ دونوں راجہ دسرت کے لڑکے ہیں۔کیسے خوبصورت ہنسوں کی جوڑی ہے۔انہوں نے اب سے پہلے لڑائی میں ایسے راکششوں کو مارا ہے جن پر کوئی غالب نہ آسکتا تھا (رام کی طرف اشارہ کرکے) یہ سانولے بدن اور کنول جیسی آنکھوں والا کوشلیا کا بیٹا ہے۔گورے رنگ والا جو کمان لگاے رام کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے رام کا چھوٹا بھائی ہے۔اس کی ماں کا نام سومترا ہے۔یہ دونوں سویمبر کا تماشا دیکھنے آے ہیں"—

" بعض عورتیں رام کے حسن کو دیکھ کر کہتی ہیں اگر جانکی (یعنی سیتا جی) کے لایق کوئی بر ہے تو یہ ہے۔اگر راجہ جنک اس کو دیکھ لے تو

اپنی ضد کو چھوڑ کر جانکی کے ساتھہ اس کا بیاہ کر دے گا "—

" ایک کہتی ھے کہ راجہ ان کو دیکھہ چکا ھے اور ان کی تعریف کر چکا ھے۔ مگر اے سکھی! راجہ اپنا پرن نہیں چھوڑیگا " —

" ایک کہتی ھے کہ اگر بھگوان کو بھلائی کرنی ھے تو جانکی کو یہ بر ضرور ملیگا۔ نہیں تو بڑی فکر کی بات ھے۔ اگر نصیب سے یہ سنجوگ ھونا ھے تو پھر اس رشتے کے سبب رام کبھی کبھی یہاں ضرور آیا کرینگے اور اُنہیں ھم بھی دیکھہ سکینگے۔ مگر یہ سنجوگ تب ھی ھو سکتا ھے کہ پہلے جنم کے کرم اچھے ھوں " —

" ایک اور عورت نے کہا سکھی! تو نے سچ کہا۔ اس بیاہ سے ھم سب کا فایدہ ھے " —

" ایک بولی مگر مہادیو جی کی کمان بہت کڑی ھے اور یہ نازک بدن ھیں " —

" ایک بولی خوف تو یہ ھے کہ راجہ اپنے پرن کو چھوڑے گا یا نہیں۔ اگر چھوڑیگا تو پھر یہ ڈر ھے کہ جانکی ان کے گلے میں مالا ڈالیں گی یا نہیں۔ اگر راجہ پرن نہ چھوڑے تو پھر مہادیو جی کی کمان تو بہت سخت ھے۔ دیکھئے ان سے ٹوٹے یا نہ ٹوٹے " —

" ایک کہتی ھے کہ دیکھنے میں تو یہ چھوٹے اور نازک ھیں۔ مگر ان کے گن بڑے ھیں۔ کیا یہ شیو جی کی کمان توڑے بغیر رھینگے۔ یقین جانو کہ جس برھما نے جانکی کو ایسا خوبصورت بنایا ھے اُسی نے رام جیسا سانولے رنگ کا بر اُس کے لئے تجویز کیا ھے " —

تلسی داس لکھتے ھیں کہ راجہ جنک کے باغ میں سیتا جی اسلئے گئی ھیں کہ سویمبر کی رسم سے پہلے گوری (یعنی پاربتی جی) کی پوجا کریں۔ رام لچھمن بھی اتفاق سے اس باغ میں جانکلے ھیں۔ سیتا جی کی ایک سہیلی نے رام لچھمن کو دیکھہ کر اُن سے کہا " میں نے ایک سانولے رنگ کا اور ایک گورے رنگ کا نوجوان دیکھا ھے۔

دونوں کا حسن میں کس طرح بیان کروں جس نے (یعنی آنکھ نے) دیکھا ھے وہ بولنے کی طاقت نہیں رکھتی اور جو بول سکتی ھے (یعنی زبان) اُس نے دیکھا نہیں"—

سچ یہ ھے کہ حسن و جمال کے بیان میں اس انداز بیاں کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی—

لچھمن جی اور پرسرام کا دلچسپ مکالمہ

تلسی داس نے راماین میں لکھا ھے کہ جب سویمبر کی رسم ختم ہو چکی اور رامچندر جی شیو جی کی کمان کو توڑ چکے تو اس خبر کو سن کر پرسرام جی جنک پور میں پہنچے- یہ شیو جی کے چھٹے اوتار ھیں اور رامچندر جی ساتویں اوتار ھیں- دونوں ایک ھی زمانے میں تھے مگر پرسرام رامچندر جی کے اوتار ہونے سے بے صبر ھیں- وہ ذات کے برھمن ھیں اور چھتریوں کے دشمن مشہور ھیں انھوں نے اکیس دفعہ چھتریوں کو قتل کیا اور ان سے زمین چھین کر برھمنوں کو دی- شیو جی کی کمان ٹوٹنے کی خبر سن کر ان کو جلال آگیا- کیوں کہ وہ چھتری یعنی رامچندر جی کے ھاتھ سے ٹوٹی تھی- اُنھوں نے جنک پور میں پہنچکر اپنے غصے کا اظہار کیا مگر لچھمن جی نے طنز آمیز گفتگو سے ان کی شیخی کرکری کر دی- آخر میں پرسرام کو معلوم ھوا کہ رام درحقیقت اوتار ھیں- اس پر انھوں نے معافی مانگی اور جنگل کو چل دئے- اس واقعہ کو تلسی داس نے جس طرح اپنے تخیل سے پورا کیا ھے اور پورے واقعہ کی تصویر جس طرح نظر کے سامنے کھڑی کر دی ھے اُس کی تعریف نہیں ہو سکتی—

وہ لکھتے ھیں کہ "پرسرام بدن پر بھبوت ملے ھیں- ماتھا چوڑا ھے اور اس پر تلک لگا ھے- سر پر جٹا ھیں- چہرے پر غصے کے سبب کچھ سرخی ھے- بھویں بل کھا رھی ھیں- آنکھیں لال ہو رھی ھیں- کندھے بیل کے کندھوں کی طرح اُبھرے ھوے ھیں- چھاتی چوڑی اور بازو بڑے بڑے ھیں- جنیو- مالا اور

مرگ چھالا پہنے ہوے ہیں- سادھوؤں کا لباس ہے- کمر سے دو ترکش بندھے ہیں
ہاتھہ میں کمان ہے- کندھے پر تبر ہے اور یہی ان کا خاص ہتیار ہے- اس جلسہ
میں جو راجہ موجود تھے اُن کو دیکھکر خوف سے لرز گئے اور ان کو پرنام کرنے
لگے- جنک جی نے بھی سر جھکایا اور سیتا جی کو بلا کر پرنام کرایا- پرسرام نے
دعا دی اور سکھیاں سیتا جی کو لیکر چلی گئیں- بشوامتر نے بھی جو
رامچندر جی کے گرو ہیں اور جو ان کے ساتھہ جنک پور آئے تھے پرسرام سے
ملاقات کی اور دونوں بھائیوں کو ان کے قدموں پر جھکایا- بشوامتر نے بتایا
کہ یہ دونوں بھائی راجہ جسرت کے بیٹے ہیں"—

پرسرام نے راجہ جنک سے پوچھا کہ یہ بھیڑ کیسی لگی ہے؟ راجہ نے سویمبر
کا سارا حال بیان کیا- کمان کے دو ٹکڑے پرسرام نے زمین پر پڑے دیکھے- غصے
سے کہا—

"ارے احمق راجا! یہ شیو جی کی کمان کس نے توڑی؟ مجھے وہ آدمی
دکھا- ورنہ میں تیرے راج کو اُلٹ دوں گا"—

راجا نے خوف سے جواب نہیں دیا- سب سوچ میں پڑ گئے- سیتا جی دل
میں خیال کرنے لگیں کہ بھگوان نے بنا کر بات بگاڑ دی سب کو خوف زدہ
دیکھہ کر رام نے جواب دیا—

"مہادیو کی کمان توڑنے والا کوئی تمہارا ہی خادم ہو گا- آخر بات کیا
ہے؟ مجھہ سے تو کہئے"—

پرسرام- "خادم تو وہ ہے جو خدمت کا کام کرے مگر جو شخص دشمنی کا
کام کرے اُس سے تو لڑنا واجب ہے جس نے یہ شیو جی کی کمان
توڑی وہ میرا دشمن ہے- اُس کو چاہئے کہ وہ اس مجلس سے
الگ کھڑا ہو جاے ورنہ سب راجا مارے جائیں گے"—

لچھمن جی- (مسکرا کر) "میں نے لڑکپن میں بہت سی دھنکیاں توڑ

ڈالی تھیں مگر آپ نے اُس وقت غصے کا ایسا اظہار کبھی نہیں کیا-اِس کہان سے آپ کو ایسی کیا محبت ھے "—

(لچھمن جی نے اپنے جواب میں ایک گذشتہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا ھے-
شارحین راماین نے بیان کیا ھے کہ پرسرام نے مختلف دیوتاؤں سے اُن کی کمانیں لیکر جمع کر رکھی تھیں-یہ دیکھہ کر زمین کو فکر ھوئی کہ اگر یہ کمانیں اتفاق سے راکششوں کے ھاتھہ آجائیں تو پھر دیوتا اُن پر فتح نہ پا سکیں گے اور دنیا اُن کے ظلم و ستم سے بھر جاے گی-اُس نے اپنے دل کی بات شیش جی سے بیان کی جو سانپوں کے راجہ ھیں اور اُن کے پھن پر زمین ٹھیری ھوئی ھے-شیش جی نے کہا تم ماں بن جاؤ اور میں تمھارا بچہ بن جاتا ھوں-ھم دونوں چل کر پرسرام کی کٹی پر ٹھیریں-تم میری شوخیوں کا قصور پہلے سے معاف کرا لینا اور میں موقع پا کر سب کمانوں کو توڑ ڈالوں گا-یہ صلاح کر کے زمین عورت کے روپ میں ایک بچہ گود میں لئے پرسرام کے پاس روتی ھوئی پہنچی-پرسرام کے پوچھنے پر اُس نے جواب دیا-مہاراج! میرے پتی نے مجھے گھر سے نکال دیا ھے اور میں رشی منیوں کا سہارا ڈھونڈتی پھر رھی ھوں-میرا یہ بچہ ذرا شریر ھے اس کی شوخیوں کے سبب کوئی رشی منی مجھے اپنے ھاں ٹھیرنے نہیں دیتا-اگر آپ میرے اس بچے کی شوخیوں کی کچھہ پروا نہ کریں اور اس کا قصور معاف کر دیں اور مجھے اپنے ھاں ٹھیرنے کی اجازت دیں تو میں آپ کی ھر طرح کی خدمت کروں گی-پرسرام نے عورت کی بیکسی پر رحم کھا کر اپنے ھاں ٹھیرنے کی اجازت دی اور دونوں وھاں رھنے لگے-ایک دن پرسرام اپنی کسی ضرورت سے باھر جنگل کو گئے تھے-شیش جی نے موقع پا کر سب کمانوں کو ایک ایک کر کے توڑ ڈالا-پرسرام نے واپسی پر پوچھا کہ یہ کمانیں کس نے توڑی ھیں-عورت نے جواب دیا کہ مہاراج! میں پہلے ھی کہہ چکی تھی کہ میرا یہ بچا بہت شریر ھے اور آپ اُس کی شوخیوں کو پہلے ھی

معاف کر چکے ہیں-پرسرام اس بات کو سن کر ہنس پڑے اور غصے کا اظہار نہیں کیا-اب شیش جی نے اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو کر کہا کہ ایک کمان شیو جی کی باقی رہ گئی ہے اُسے رامچندر جی توڑیں گے اور اُس وقت ہماری آپ کی باتیں ہوں گی-چوں کہ لچھمن جی شیش دیوتا کے مظہر ہیں اسی سے اُنھوں نے اس گزشتہ واقعہ کی طرف اشارہ کر کے یہ طنز آمیز جواب دیا)

پرسرام-"او راجا کے لڑکے! شاید موت تیرے سر پر سوار ہے کہ سنبھل کر بات نہیں کرتا-شیو جی کی کمان کو ڈھنکی بتاتا ہے"—

لچھمن جی-(ہنس کر) "ہمارے نزدیک تو سب کمانیں برابر ہیں-ایک پرانی کمان توڑنے میں کیا عیب ہے؟ رام نے نئی کمان سمجھکر اُسے ہاتھہ میں لیا تھا وہ ہاتھہ لگاتے ہی ٹوٹ گئی-اس میں رام پر کیا الزام ہے-آپ بے فائدہ غصے کا اظہار کرتے ہیں"—

پرسرام-(اپنے تبر کی طرف اشارہ کر کے) "ارے نادان! تو شاید میرے مزاج کو نہیں جانتا-میں تجھے بچہ سمجھہ کر نہیں مارتا-ارے بیوقوف! تو مجھے سادھو ہی جانتا ہے-میں بچپن سے برہم چاری (یعنی مجرد) رہا ہوں اور بہت ہی تند مزاج ہوں-دنیا جانتی ہے کہ میں چھتریوں کی قوم کا دشمن ہوں-میں نے کئی بار زمین چھتریوں سے خالی کر کے برہمنوں کو دے دی ہے-سہسراباہو کے بازو کاٹنے والے تبر کو دیکھہ جو میرے کندھے پر ہے (سہسراباہو ایک راجہ تھا جس کے ہزار بازو تھے-ایک دن وہ شکار کو گیا-پرسرام کے والد جمدگنی کی کُٹنی پر پہنچا تو وہ بہت عزت سے پیش آیا مگر چلتے وقت وہ جمدگنی کی گاے چھین کر لے گیا-اُس وقت پرسرام نہ تھے جب واپس آے اور یہ حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے سہسراباہو پر حملہ کر کے

اُس کے ہزار بازو کاٹ ڈالے اور اُس کو قتل کر دیا-اُس کے لڑکے موقع پا کر جمدگنی پر چڑھ آے اور اُنھوں نے جمدگنی کو مار ڈالا- پرسرام کو خبر ہوئی تو اُنھوں نے اُن سب لڑکوں کو قتل کیا اور چھتریوں کو نیست و نابود کرنے کی قسم کھائی) ذرا اپنے ماں باپ کا خیال کرکے دیکھہ کہ میرا یہ تبر بہت سے مغرور لوگوں کے غرور کو توڑ چکا ھے"—

لچھمن جی-(ہنس کر) "اپنے تئیں بہادر سمجھنے والے سادھو! مجھے بار بار اپنی کلھاڑی کیا دکھاتے ہو-یہاں کون ھے جو دھمکی کی انگلی دیکھہ کر مرجاے-آپ کو تیر کمان اور کلھاڑی سے مسلح دیکھہ کر میں نے بھی جوش کی باتیں کہدیں-میں آپ کو بھارگو جی کی نسل سے جان کر اور آپ کے بدن پر جنیو دیکھکر آپ کے غصے کی باتیں پی گیا ہوں-برھمنوں کے مارے میں بھی پاپ ھے اور اُن سے ھارنے میں بھی بدنامی ھے-اس لئے مارتے ہوے بھی تمہارے قدموں میں سر جھکانا پڑتا ھے-کروڑ بجر کے برابر تو یہ آپ کی باتیں ھی ھیں-پھر تیر کمان اور کلھاڑی پاس رکھنے سے کیا فایدہ ھے-خیر میں نے جو نامناسب بات کہی ہو اُس کو معاف کر دیجئے"—

پرسرام-(غصے سے) "بشوامتر! یہ لڑکا بہت ھی تیڑھے مزاج کا ھے اور موت کے بس میں آیا ہوا ھے اور اپنے خاندان کو ملیا میت کرنے والا ھے-سورج بنسی خاندان کے روشن چہرہ پر یہ ایک داغ ھے-بہت نادان بہت بیباک اور گستاخ ھے-ابھی دم بھر میں یہ لقمۂ اجل ہوجاے گا-میں پکار کر کہتا ہوں کہ اس صورت مین مجھہ پر کوئی الزام نہ ہوگا-اگر اس کو بچانا چاھو تو اس

کو میری طاقت اور جلال سے آگاہ کرکے روک دو''—

لچھمن جی۔ ''تمھارے ہوتے اور کون ھے جو تمھاری بڑائی بیان کرے گا۔ تم نے بار بار اپنے کارنامے اپنی زبان سے بیان کئے ھیں۔اگر سیری نہ ھوئی ھو تو اور کچھ بیان کر لو۔غصے کو روک کر بے فائدہ تکلیف کیوں اٹھاتے ھو۔تم بہادروں کا نام لینے والے اور بہادری کا دعویٰ کرنے والے ھو۔گالی تمھارے منہ پر زیب نہیں دیتی۔جو لوگ سورما ھوتے ھیں وہ لڑائی میں اپنا زور دکھاتے ھیں۔زبان سے کبھی ظاھر نہیں کرتے۔مگر جو لوگ ڈرپوک ھیں وہ بے شک طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے ھیں۔تم جو باتیں کرتے ھو اُن سے ایسا معلوم ھوتا ھے کہ گویا تم میری موت کو کہیں سے پکڑ لائے ھو''—

پرسرام ۔(ھاتھہ میں تبر سنبھال کر اور گرج کر) ''پرسرام پھر پکار کر کہتے ھیں کہ اب مجھے کوئی الزام نہ دے۔یہ لڑکا بد زبانی کر رھا ھے اور اسی سے گردن مارنے کے لایق ھے۔بچہ جان کر میں نے اسے بہت بچایا۔مگر معلوم ھوا کہ یہ مرن ھار ھے''—

بشوا متر۔ ''معاف کیجئے۔سادھو بچوں کی باتوں کا برا نہیں مانا کرتے''—

پرسرام ۔(بشوا متر سے خطاب کرکے) ''تم میرے غصے سے واقف ھو۔میں تمھاری خاطر اسے بغیر مارے چھوڑتا ھوں۔ورنہ اس کو تبر سے مار کر اپنے گرو کے قرضے سے ابھی سبکدوش ھو جاتا''—

لچھمن ''تمھاری لیاقت سے کون واقف نہیں۔ماں باپ کا قرض تو پہلے ھی اچھی طرح ادا کرچکے ھو۔اب گرو کے قرضے کی فکر ھے اور تم اُس کو ھمارے ذمے ڈالنا چاھتے ھو۔دن بھی بہت گزر چکے

ہیں اس کا سود بہت چڑھ گیا ہوگا۔اگر تم کسی حساب جاننے والے کو بلالو تو میں ابھی تھیلی کھولکر دیدوں"۔

(یہ اشارہ اس قصے کی طرف ہے کہ ایک دفعہ پرسرام کی والدہ رینوگا پانی بھرنے کے لئے گنگا کے کنارے گئی تھی۔وہاں اُس نے چیتررتھ کو دیکھا جو ایک گندھرپ تھا۔اُس کے مردانہ حسن پر فریفتہ ہوگئی اور دیر تک اُسے دیکھتی رہی۔پرسرام کے والد نے جس کا نام جمد گنی تھا اور جو رشی کا درجہ رکھتا تھا رینوگا کے دیر کرنے کا سبب اپنے کشف سے معلوم کرلیا۔اپنے تینوں بیٹوں سے کہا کہ تم اپنی ماں کو مار ڈالو۔دو بیٹوں نے انکار کیا۔پرسرام نے باپ کے کہنے سے ماں کو بھی مار ڈالا اور دونوں بھائیوں کو بھی۔جمد گنی نے خوش ہوکر پرسرام سے کہا کہ تو جو بر چاہے مجھ سے مانگ سکتا ہے۔اُس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ میری والدہ اور میرے بھائیوں کو دوبارہ زندہ کردیں اور اُنہیں یہ خبر نہ رہے کہ میں نے انہیں قتل کیا تھا۔جمد گنی نے کہا خدا کی مرضی سے ایسا ہی ہوگا۔چنانچہ رینوگا اور پرسرام کے دونوں بھائی پھر زندہ ہوگئے۔گویا پرسرام نے باپ کا کہنا مان کر اُس کے قرض سے سبکدوشی حاصل کی اور ماں کو باپ سے دوبارہ زندہ کراکے ماں کے قرضے سے فراغت پائی)۔

یہ سنکر پرسرام نے پھر تبر سنبھالا۔

لچھمن۔"تم مجھے بار بار اپنا تبر دکھاتے ہو مگر اے راجاؤں کے دشمن میں تمہیں برہمن جان کر چھوڑتا ہوں تمہیں لڑائی میں مقابلہ کرنے والے بہادر ابھی تک نہیں ملے۔برہمن بس اپنے گھر ہی میں بہادر ہوتے ہیں"۔

سب لوگوں نے پکار کر کہا کہ یہ باتیں سراسر نامناسب ہیں۔

رام۔ (لچھمن کو اشارہ سے منع کرکے) "پرسرام جی! اس بچے پر

مہربانی کرو بچوں کے منہ کو دودھ لگا ہے۔اس لئے وہ سیدھے اور بھولے ہوتے ہیں۔اگر بچہ آپ کے گن جانتا تو آپ کی برابری کیسے کرتا۔ بچہ اگر کوئی نامناسب حرکت کرتا ہے تو گرو اور ماں باپ کا دل خوش ہوتا ہے آپ اِس کو اپنا خادم جان کر مہربانی کریں"—

" پرسرام کچھ ٹھنڈے ہوے ہی تھے کہ لچھمن جی پھر ہنس پڑے اور پرسرام کو پھر غصہ آگیا—

پرسرام۔ (رام سے خطاب کرکے) " اے رام۔تیرا بھائی بڑا پاپی ہے۔بدن گورا ہے۔مگر دل سیاہ ہے۔اس کے منہ کو دودھ نہیں لگا۔بلکہ زہر لگا ہے۔یہ اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے ٹیڑھا ہے۔تمہارے جیسا نہیں ہے اور ایسا کم عقل ہے کہ اُسے اپنی موت مجھہ میں نظرنہیں آتی"—

لچھمن۔" سادھو غصہ نہ کرو۔غصہ پاپ کی جڑ ہے۔اس کے بس میں آکر انسان اکثر نا مناسب باتیں کر گزرتا ہے۔میں تو آپ کا خادم ہوں۔مجھہ پر غصہ کرنا چھوڑ دو۔کمان تو ٹوٹ چکی ہے اب غصہ کرنے سے وہ جڑ نہیں سکتی۔کھڑے کھڑے آپ کے پاوں دکھہ گئے ہوں گے۔اب ذرا بیٹھہ جائیے اور اگر اس کمان سے ایسی ہی محبت ہے تو کسی کاریگر کو بلا کر اسے جڑوا لیجئے"—

راجہ جنک خاموش ہونے کا اشارہ کرتے ہیں۔جلسے کے لوگ تھر تھر کانپتے ہیں۔لچھمن جی کی بیباکانہ باتوں سے پرسرام کے تن بدن میں آگ سی لگ رہی ہے۔مگر پھر کچھہ تحمل کرکے بولے :—

" اے رام! میں اسے تیرا بھائی جان کر چھوڑتا ہوں۔اس کا بدن تو خوبصورت ہے مگر دل کھوٹا ہے۔گویا سونے کے گھڑے میں کسی نے زہر

بھر دیا ھے''۔

اُس بات پر لچھمن جی پھر ھنسے اور رام نے پھر اشارہ کیا اور ھاتھ جوڑ کر بولے:۔

''آپ اس لڑکے کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ لڑکے اور تتئے کا ایک ھی سبھاؤ ھے۔ نیک آدمی دونوں پر کوئی الزام نہیں لگاتے۔ ذرا یہ تو خیال کیجیے کہ اس نے آپ کا کام نہیں بگاڑا۔ آپ کا قصوروار تو میں ھوں۔ کمان کو تو میں نے توڑا ھے۔ اب آپ جو کچھ کریں مجھے اپنا داس سمجھ کر کریں۔ آپ کا غصہ جس علاج سے رفع ھو وھی علاج آپ کو کرنا چاھئے''۔

پرسرام۔'' میرا غصہ جائے تو کیوں کر جائے۔ تمھارا بھائی غصے کی نظر سے مجھے اب بھی دیکھتا ھے۔ اگر میں نے اُس کے گلے پر تبر نہ رکھا تو پھر میں نے غصہ کر کے کیا لیا۔ میرے اس تبر کے کارنامے سن کر رانیوں کے حمل گر جاتے ھیں۔ اس کے ھوتے میں ایک راجا کے بیٹے کو جیتا ھوا دیکھوں جو میرا دشمن ھے!! میرا ھاتھ نہیں چلتا۔ مگر غصے سے دل جلتا ھے۔ شاید یہ تبر بھی جس نے راجاؤں کو ھلاک کیا ھے اب کُند ھو گیا ھے۔ معلوم ھوتا ھے کہ آج بھگوان بھی مجھ سے تیڑھے ھوگئے ھیں کہ ایسے طعنہ کی باتیں مجھے سننی پڑیں''۔

لچھمن۔ (ھنس کر اور سر جھکا کر) ''آپ تو مجسم مہربانی ھیں۔ باتیں جو آپ کرتے ھیں تو گویا منہ سے پھول جھڑتے ھیں مگر جب غصے سے آپ کا دل جلتا ھوگا تو پھر بھگوان ھی آپ کے جسم کو اس آگ سے بچاتے ھوں گے''۔

پرسرام۔ (راجہ جنک سے خطاب کر کے) ''اس لڑکے کو میرے سامنے سے ھٹا دو۔ اس کی ھٹ نہیں جاتی۔ اب یہ موت کے مونہہ میں جانا

ہی چاہتا ہے - یہ دیکھنے میں تو چھوٹا ہے مگر اصل میں بڑا کھوٹا ہے" —

لچھمن - "سادھو! ذرا آپ اپنی ہی آنکھیں بند کر لیں تا کہ معلوم ہو کہ آپ کے سامنے کوئی موجود نہیں ہے" —

پرسرام - (رام سے خطاب کر کے) "تم مہادیو کی کمان توڑ کر ہماری تذلیل کر رہے ہو - معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا یہ بھائی تمہاری ہی صلاح سے ایسی باتیں کہتا ہے - اب تم مجھ سے لڑائی کرو ورنہ رام کہلانا چھوڑ دو - کیوں کہ رام تو میں ہی ہوں - اے شیو کے دشمن! فریب کو چھوڑ کر جنگ پر تیار ہو جا ورنہ میں تم دونوں کو مار ڈالوں گا" —

رام - "سادھو غصے کو تھوک دو - آپ کے ہاتھ میں تبر ہے - یہ میرا سر حاضر ہے - جس تدبیر سے آپ کا غصہ جائے وہ ہی آپ کریں - مجھے اپنا خادم جانو - آقا اور خادم میں لڑائی کیسی - آپ کا بھیس دیکھکر لڑکے نے کچھ کہہ دیا تھا سو اس کا بھی قصور نہیں - تبر اور کمان دیکھکر اُسے بھی غصہ آگیا - نام جانکر اُس نے آپ کو نہیں پہچانا - اپنی خاندانی فطرت کا لحاظ کر کے جواب دیتا رہا اگر آپ سادھوؤں کی طرح آتے تو وہ آپ کے قدموں کی خاک سر پر رکھتا - اب آپ اُسے انجان سمجھکر معاف کر دیں - برھمن کے دل میں نرمی اور مہربانی ہونی چاہئے - آپ کی برابری کیسے ہو سکتی ہے - کہاں قدم اور کہاں پیشانی - نام کے لحاظ سے آپ ہی بڑے ہیں - ہم آپ سے سب طرح ہارے - اب ہمارے قصوروں کو معاف کر دیجئے" —

پرسرام - "معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی اپنے بھائی کی طرح ٹیڑھا ہے - مجھے

اب تک نرا برھمن ھی جانتا ھے-میرا مزاج تجھے معلوم نہیں-
اسی سبب سے برھمن کے بھلاوے میں میری بے عزتی کرتا ھے
کمان کو توڑ کر تو بہت مغرور ھو گیا ھے گویا تو نے ساری
دنیاکو فتح کر لیا ھے"—

رام- "سادھو! ذرا سوچکر بات کرو-تمہارا غصہ تو بہت بڑا ھے اور
ھماری خطا بہت چھوٹی ھے-پرانی کمان تھی-چھوتے ھی ٹوٹ
گئی-اس میں غرور کی کیا بات ھے-آخر ایسا بہادر دنیا میں
کونسا ھے جس سے ڈر کر ھم اپنا سر اُس کے سامنے جھکائیں-
دیوتاؤں اور راجاؤں میں سے چاھے کوئی ھمارے برابر طاقت
رکھتا ھو یا ھم سے زیادہ طاقتور ھو اگر لڑائی میں ھمیں
للکارے گا تو ھم اُس سے ضرور لڑیں گے-چاھے اس میں ھماری
موت ھی کیوں نہ ھو-کیوں کہ چھتری ھوکر جو شخص لڑائی
سے جی چرائے وہ اپنے خاندان کو بدنامی کا داغ لگاتا ھے-میں
کچھہ اپنے خاندان کی تعریف نہیں کرتا-ایک سرسری بات کہتا
ھوں کہ رگھو بنسی لڑائی میں موت سے کبھی نہیں ڈرتے"—

یہ سنکر پرسرام کو شبہہ ھوا کہ شاید رام اوتار ھیں-وشنو کی کمان جو ھاتھہ میں تھی پیش کر کے کہا-وشنو بھگوان نے یہ کمان دیکر کہا تھا کہ جو کوئی اس کمان کو کھینچ سکے اُس کو تم اوتار جاننا اور خود ریاضت کے لئے جنگل کو چلے جانا-پس آپ ذرا اِس کمان کو تو کھینچیں تاکہ میرا شبہہ دور ھو-رامچندر جی نے جونہی کمان ھاتھہ میں لی وہ خود بخود کھنچ گئی-یہ دیکھکر پرسرام نے اپنی بیباکانہ گفتگو کی معافی چاھی اور عاجزی اور خوشامد کی باتیں کر کے جنگل کو روانہ ھوگئے—

بسنت کا سماں اور اُس کی تشبیہ شاہی کیمپ سے

"چھتری جیسے چھائے ہوئے درخت - تنے ہوئے شامیانے ہیں - تاڑ اور کیلے کے درخت - فوجی جھنڈے ہیں - درختوں کی شاخیں کمانیں ہیں اور پھول تیر ہیں - جو تناور درخت الگ تھلگ کھڑے ہیں وہ گویا جنگجو بہادر ہیں جنھوں نے کیمپ کے ایک طرف خیمے لگا رکھے ہیں - کوکلے جو گُنجارتے ہیں وہ گویا مست ہاتھی ہیں - کُلنگوں کا جھنڈ اونٹوں کا انبوہ ہے - چکور اور طوطے گویا گھوڑے ہیں - کبوتر اور ہنس خاص عربی گھوڑے ہیں - تیتر اور لوے پیدلوں کے گروہ ہیں - پہاڑوں کی چٹانیں رتھہ ہیں - جھرنے جھرتے ہیں گویا نقارے بج رہے ہیں - پپیہے جو رٹ لگاتے ہیں گویا بھات ہیں - جو کام دیو راجا کی خوبیاں گا کر سناتے ہیں - بھونرے جو گنجارتے ہیں یہ گویا شہنائیاں ہیں - مختلف ہوائیں قاصدوں اور ہرکاروں کا کام کر رہی ہیں - یہ سب گویا کام دیو کی فوج ہے جس نے سبز و شاداب جنگل میں چھاونی چھائی ہے" ـــ

برسات کا سماں اور اُس کی تشبیہ عالم انسانی سے

"موروں کے جھنڈ بادلوں کو دیکھکر ناچتے ہیں گویا دنیادار ہیں - جو رام بھگتوں کو دیکھکر خوش ہو رہے ہیں - بجلیاں چمک چمک کر بادلوں میں رہ جاتی ہیں جیسے منافق لوگ ایک حالت پر کبھی قایم نہیں رہتے - بادل زمین کے قریب آ آ کر برستے ہیں - جیسے شریف لوگ علم حاصل کرنے کے بعد فروتنی ظاہر کرتے ہیں - بوندوں کی چوٹ کو پہاڑ اس طرح سہتے ہیں جیسے نیک آدمی بدوں کی سخت کلامی کا تحمل کرتے ہیں - چھوٹی چھوٹی ندیاں اُبل اُبل کر چل رہی ہیں جیسے اوچھے آدمی تھوڑی سی دولت پا کر اپنے قابو میں نہیں رہتے - زمین پر گر کر پانی گدلا ہو گیا جیسے روح دنیا کے افکار میں مشغول ہو کر کثیف ہو جاتی ہے - پانی سمٹ سمٹ کر تالابوں اور جھیلوں میں جمع ہو رہا ہے جیسے نیک خیالات نیک آدمیوں کے دلوں میں خود بخود

آتے ہیں۔ ندیوں کا پانی سمندر میں جا کر گم ہو جاتا ہے جیسے بھگوان کے بھگت عبادت میں فنا ہو کر اُس کی ذات میں محو ہو جاتے ہیں۔ گھاس کی کثرت سے زمین چھپ گئی جیسے پاکھنڈیوں کی بحث میں معقول باتیں چھپ جاتی ہیں۔ مینڈک چاروں طرف ترا رہے ہیں گویا علم کے طالب ہیں جو ویدوں کے پڑھنے میں مشغول ہیں۔ درختوں میں رفتہ رفتہ نئے پتے نکل رہے ہیں جیسے راستباز انسان کے دل میں ایمان آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ آکھی اور جوانسے کے پتے بارش کے اثر سے اس طرح جھڑ گئے ہیں جیسے اچھے راجہ کے راج میں بدمعاش لوگ نا پید ہو جاتے ہیں۔ گرد و غبار تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتا جیسے غصہ آنے پر دھرم دور ہو جاتا ہے۔ زمین کھیتی سے بھری ہوئی اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے فیاض لوگوں کی خوش نصیبی سب کو پسند آتی ہے۔ رات کے وقت بادلوں کے اندھیرے میں جگنو چمکتے ہیں جیسے بداندیش لوگ گوشوں میں چھپ کر جلسے کرتے ہیں۔ بہت بارش کی وجہ سے پانی کیاریوں کو چھوڑ کر بہ نکلا جیسے عورت خود مختار ہو کر بگڑ جاتی ہے۔ ہوشیار کسان کھیتی کو اس طرح نلاتے ہیں جیسے عالم لوگ لالچ اور غرور وغیرہ عیبوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چکوا چکوی اس موسم میں نظر نہیں آتے جیسے کلجگ میں دھرم کا کہیں پتا نہیں ملتا۔ بارش سب جگہ ایک سی ہوتی ہے لیکن بنجر زمین میں گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں جمتا جیسے نیک دل لوگوں کے دلوں میں نفسانی جذبات کبھی پیدا نہیں ہوتے۔ زمین مختلف قسم کے جانوروں سے بھری ہوئی ہے جیسے نیک راجا کے عہد میں رعایا کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔ جہاں تہاں بہت سے مسافر تھک تھک کر ٹھہر رہے ہیں جیسے معرفت حاصل ہونے سے نفسانی خواہشیں ساکن ہو جاتی ہیں۔ کبھی ہوا زور سے چلتی ہے اور بادل پھٹ جاتے ہیں جیسے بری اولاد ہونے سے خاندان کی ناموری برباد ہوجاتی ہے۔ دن میں کبھی بادلوں سے اندھیرا چھا جاتا ہے کبھی سورج نکل آتا ہے جیسے بری صحبت سے ایمان جاتا

رهتا هے اور نیک صحبت سے پھر پیدا هو جاتا هے"۔

برسات ختم هونے کے بعد

"اگست ستارہ نے طلوع کیا هے (یه وہ وقت هے جب که بارش کا تمام پانی سوکھ جاتا هے) رستوں کا پانی سوکھ گیا جیسے قناعت کا سکون حاصل هونے سے لالچ کافور هو جاتا هے۔ندیوں اور تالابوں میں نرمل پانی زیب دے رها هے جیسے نیک آدمیوں کے دل نفسانی جذبات سے پاک و صاف هوتے هیں۔ندیوں اور تالابوں کا پانی آهسته آهسته کم هوتا جاتا هے جیسے ایماندار آدمی دنیا کی محبت رفته رفته چھوڑ دیتے هیں۔پانی کی ته میں ریت کے ذرے ایسے خوبصورت معلوم هوتے هیں جیسے منصف راجا کے نیک اعمال۔پانی کی کمی سے مچھلیاں بیکل هو گئیں جیسے بے عقل دنیادار آدمی مفلس هونے سے بیکل هو جاتا هے۔بغیر بادلوں کے آسمان ایسا شفاف دکھائی دیتا هے جیسے عابدوں کے دل۔جہاں پانی گہرا هے وهاں مچھلیاں خوش هیں جیسے انسان خدا کی پناہ میں آکر سب دکھوں سے چھوٹ جاتا هے۔چاندنی رات کو دیکھکر چکوا چکوی کے دلوں میں دکھ هوتا هے جیسے بد اندیش آدمی دوسروں کی کامیابی دیکھکر جلتے هیں۔دن کی گرمی کو رات کے وقت چاند کی روشنی دور کر دیتی هے جیسے روشن ضمیر لوگوں کے درشن سے پاپ دور هو جاتے هیں۔پالے کے ڈر سے مچھر ڈانس وغیرہ سب جاتے رهے جیسے برهمنوں کے ساتھ بغض رکھنے سے خاندان فنا هو جاتا هے۔جو جانور زمین میں پھر رهے تھے (یعنی حشرات) وہ سرد موسم کو دیکھکر غایب هو گئے جیسے کامل مرشد کے ملنے سے دل کے تمام شبہات جاتے رهتے هیں"۔

تشبیہات و استعارات

تلسی داس کی شاعری کے چند نمونے دکھانے کے بعد اب هم راماین کے مختلف مقامات سے نادر اور لطیف تشبیہوں اور استعاروں کی مثالیں پیش

کرتے ہیں—

دوسروں کی ترقی سے خوش ہونا

جو لوگ دوسروں کو بڑھتا دیکھہ کر خوش ہوتے ہیں اُن کی مثال سمندر کی ہے جو ماہ کامل کو دیکھہ کر بڑھتا ہے—

شعر گوئی کا عالم

شاعر کا دل سمندر ہے۔اُس کی عقل سیپی ہے۔سرسوتی جو علم کی دیوی ہے۔سواتی نچھتر یعنی ابر نیسان ہے کہ اگر وہ پانی برسائے تو شاعر کا شعر آبدار موتی بن جاتا ہے—

رام کی سرگزشت کیوں کر بیان ہو ؟

میری شاعری رام کی داستان کو کس طرح بیان کر سکتی ہے۔جس ہوا میں سمیرپربت بھی اُڑ جاے وہاں روئی کے گالے کی کیا حقیقت ہے۔(سمیریا میرو سونے اور جواھرات کا ایک پہاڑ شمال میں ہے جہاں دیوتا رہتے ہیں)—

محبت اور نفاق

دودہ اور پانی میں جب ربط ہوتا ہے تو اس محبت کا اثر دیکھو۔دودہ پانی کو اپنے برابر قیمت دلواتا ہے۔جب دودہ کو گرم کرتے ہیں تو پانی تو جلتا ہے اور دودہ کو جلنے نہیں دیتا مگر محبت میں جب نفاق شامل ہوجاتا ہے تو اُس کی مثال کھٹائی کی ہے جس سے دودہ اور پانی دونوں الگ ہوجاتے ہیں اور دودہ کا مزہ بھی جاتا رہتا ہے—

حسن و جمال کا اثر

رام لچھمن سے بات چیت تو کر رہے ہیں مگر دل جانکی جی کے کنول جیسے چہرہ سے حسن کے رس کو بھنورے کی طرح چوس رہا ہے—

سیتاجی کا بے عیب حسن

چاند جانکی جی کے چہرہ سے مقابل نہیں ہوسکتا۔وہ سمندر یعنی کھاری پانی سے پیدا ہوا ہے اور زہر کا بھائی ہے (کیوں کہ وہ بھی سمندر سے نکلا ہے)۔وہ دن ... ہے۔اُس کی

پیشانی پر داغ ہے-وہ کبھی گھٹتا ہے-کبھی بڑھتا ہے-راہو موقع پاکر اُس کو نگل لیتا ہے-وہ چکوا چکوی میں جدائی ڈالنے والا اور کنول کا دشمن ہے-حالانکہ سیتا جی کے حسن میں کوئی عیب نہیں ہے—

سیتا جی کی تشبیہ	سیتا جی کو کس عورت سے تشبیہ دیں-سرسوتی (علم کی دیوی) میں بہت بولنے کا عیب ہے-پاربتی آدھا جسم

رکھتی ہے-رتی (کام دیوی کی بیوی) اپنے خاوند کے بے جسم ہونے کے سبب دل میں دکھی ہے-لچھمی (دولت کی دیوی) سمندر سے شراب اور زہر کے ساتھ نکلی ہے—

کمان کا آسانی سے توڑنا	رام نے شیوجی کی کمان کو اس طرح توڑ ڈالا جس طرح ہاتھی کنول کی ڈنڈی کو چٹ پٹ توڑ ڈالتا ہے—

نازک آدمی سے مشکل کام ہونا ممکن نہیں	سرس کے پھول سے ہیرے میں سوراخ نہیں ہوسکتا یعنی نازک آدمی سے سخت اور مشکل کام انجام

پانا ممکن نہیں—

خوشی کا اظہار	اس خبر کو سنکر سب لوگ ایسے خوش ہوے جیسے مور بادل کی آواز سنکر خوش ہوتا اور ناچنے

لگتا ہے—

گھنٹوں کی آواز	ہاتھیوں کے چلنے سے گھنٹوں کی آواز ہوتی ہے گویا ساون کے بادل گرج رہے ہیں—

بھرت کا خیال	رام کو بھرت کی ایسی ہی فکر ہے جیسے کچھوے کو اپنے انڈوں کی فکر رہتی ہے—

شرارت کی تیاری	منتھرا (رانی کیکئی کی باندی کا نام ہے) کام بگاڑنے کے ایسے ہی درپے ہے جیسے بھیلنی شہد کی مکھیوں کا

چھتا دیکھ کر تکا کرتی ہے کہ کس طرح شہد حاصل کروں—

راجہ جسرت کو پھانسنے کی تدبیر | راجا کی قسم سنکر کیکئی ہنسی اور اپنی جگہ سے اُٹھی۔گویا بھیلنی ہرن کو دیکھہ کر شکار کے پھندے سنوارنا چاہتی ہے—

دل کی تکلیف چھپانا | اُس نے اپنی تکلیف کو دل میں اِس طرح ہنسکر چھپایا جیسے چور کی عورت ظاہر میں نہیں روتی—

عورت کی مکاری | عورت کے چرتروں یعنی فریبوں کا سمندر ایسا گہرا ہے کہ اُس کی تھاہ نہیں ملتی—

راجہ جسرت کی تکلیف | کیکئی کی بات سنکر راجا کے دل میں ایسا رنج ہوا جیسے چاند کی کرنوں سے چکوا چکوی دکھی ہوتے ہیں—

راجا جسرت کا خوف | راجا یہ سنکر ایسا سہم گیا جس طرح جنگل میں باز کے جھپٹنے سے لوا سہم جاتا ہے—

آرزو کی بربادی | میری آرزو کا جو مکپ برکش پھلا پھولا تھا اُسے کیکئی نے ہتنی کی طرح جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔(مکپ برکش اِندر کی بہشت میں ایک درخت ہے جو ہر آرزو کا پورا کرنے والا سمجھا جاتا ہے)—

زندگی بغیر رام کے | راجا نے کہا میں بغیر رام کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ جیسے مچھلی بغیر پانی کے اور سانپ بغیر من کے زندہ نہیں رہ سکتا—

حسد کی جلن | یہ باتیں سنکر کیکئی کا دل اس طرح جلتا ہے جیسے اگنی میں گھی کی آہتی پڑتی ہے۔(پرستش کے وقت آگ پر گھی ڈالتے ہیں)—

طعنے کا اثر	کیکئی پھر سخت اور طعن آمیز بات کہتی ہے۔گویا بدن میں نرم جگہ پچھنے دیکر اُس پر زہر کا

پھاھا لگاتی ہے—

راجا کی بے کلی	راجا اس طرح بیکل ہوتا ہے۔جیسے کوئی پرندہ بغیر پنکھہ کے—
راجا کو فریب کا شکار بنانے کی تیاری	راجا جسرت کے قول قسم کو پکا جان کر کیکئی نے باز کی آنکھوں سے توپی اُتھا دی—
رانی کیکئی کا غصہ	راجہ جسرت کے پاس کیکئی غصے میں بھری ایسی بیٹھی ہے گویا موت گھڑیاں گن رہی ہے—
نقصان کی باتوں سے فایدہ کی توقع	لوگ ایسے بیوقوف ہیں کہ مکپ برکش کو چھوڑ کر ارنڈ کے درخت کو سینچتے ہیں اور آب حیات کو

چھوڑ کر زہر مانگتے ہے—

کج فہمی کی مثال	کیکئی رام کی سیدھی باتوں کو تیڑھی سمجھی جیسے جونک تیڑھی چال سے چلتی ہے—
بری خبر کی شہرت	یہ غم کی خبر اُسی وقت تمام شہر میں اس طرح پھیل گئی جیسے بچھو کے ڈنک مارتے ہی سارے بدن میں زہر

کی لہر دوڑ جاتی ہے—

خاندان کے لئے باعث تباہی	رانی کیکئی خاندان رگھو بنس کے لئے ایسی ہے جیسے بانس کے جنگل کے لئے آگ—
اشتیاق کا جذبہ	شہر کے مرد و عورت تمہارا جلوس دیکھنے کے ایسے ہی مشتاق ہیں جیسے پپیہے ابر نیساں کی بوند کے

پیاسے ہوتے ہیں—

دم بخود ہونے کی تشبیہ

کوشلیا رام کی بات سن کر اس طرح خشک ہو گئی جیسے اول بارش کا پانی پڑنے سے جوانسا سوکھکر جل جاتا ھے - رام کے بچن سن کر لچھمن جی اس طرح سوکھہ گئے جیسے پالا لگ کر کنول کا پھول سوکھہ جاتا ھے —

دل لرزنے کی تشبیہ

راجا کا دل پیپل کے پتے کی طرح ھلنے لگا - اُس کا دل خوف سے اس طرح کانپنے لگا جیسے ھرن نے شیر کی گرج سن پائی ھو - کیکئی کیلے کے درخت کی طرح کانپنے لگی —

عیش کے بندے تکلیف نہیں اُٹھا سکتے

جو چکوری چاند کی ٹھنڈی کرنوں کو چوسنے والی ھے وہ تمتماتے ھوے سورج سے کس طرح آنکھہ ملا سکے گی - جو ھنسنی آب حیات سے پالی گئی ھو وہ سمندر کے کھاری پانی میں کیونکر زندہ رہ سکتی ھے - سیتا کے لئے جنگل کی زندگی مناسب نہیں - زھریلے پودوں کی زمین میں سنجیونی بوٹی کیونکر سرسبز ھو سکتی ھے - (سنجیونی وہ بوٹی ھے جس کے کھانے سے آدمی ھمیشہ زندہ رھتا ھے) -

دوستوں کی صحبت میں تکلیف بھی عین خوشی ھے

سیتا جی نے رام سے کہا جنگل میں آپ کے ساتھہ رھنے سے پتوں کی جھوپڑی میرے لئے اندر کی بہشت ھوگی اور گھاس کا بچھونا کام دیو کی سیج کی مانند ھوگا —

بد ذات بغیر تنبیہ کے نہیں مانتے

کیلے کا درخت کاٹنے ھی سے پھلتا ھے - اسی طرح جو لوگ شریر اور بد ذات ھیں وہ بغیر سرزنش کے سر نہیں جھکاتے —

رام اور راون کا فرق

اے راون! تم میں اور رام میں وھی فرق ھے جو جگنو اور سورج میں ھے —

بربادی کا سبب

تو اپنے خاندان کے لئے ایسا ھے جیسے بانس کی جڑ میں گھموئی (گھموئی ایک گھاس ھے کہ جب وہ بانس

کی جڑ میں پیدا ہوتی ہے تو بانس دن بدن گلتا چلا جاتا ہے)—

چہرہ کی تیرگی	راون کا چہرہ ایسا مکدر ہو گیا جیسے دوپہر کے وقت چاند—
احمق کی شیخی	راون اپنے غرور میں ایسا مست ہے جیسے پودنا اُلٹا سوتا ہے کہ اگر آسمان گرے گا تو میں اُسے اپنے پیروں پر روک لوں گا—
قلعہ لنکا پر راچھسوں کی فوج	قلعۂ لنکا کے کنگوروں پر کالے کالے راچھس ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے سمیر پربت پر بادل چھائے ہوں—
لنکا میں کھل بلی	انگد اور ہنومان نے لنکا میں اس طرح کھل بلی ڈال دی ہے گویا دیوتا مندراچل پربت سے سمندر کو متھ رہے ہیں—
راچھسوں کی فوج	بڑے بڑے طاقتور راچھس اس طرح لڑائی پر چلے گویا کاجل کی بڑی بھاری آندھی اٹھتی ہے—
رام کے بدن پر خون کے قطرے	رام کے بدن پر خون کی بوندیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے آبنوس کے درخت پر لال رنگ کی چڑیاں بیٹھی ہوں—
بھرت کی عظمت	بھرت کی عظمت کو کوئی شاعر کیونکر بیان کر سکتا ہے۔کیا تالاب کی سیپی میں سمندر سما سکتا ہے—
برے والدین کی اولاد	میں کیکئی کا فرزند ہو کر سادھو نہیں ہو سکتا جیسے کودوں کی بالی میں چاول پیدا نہیں ہو سکتے اور تالاب کی سیپی سے موتی نہیں نکل سکتے—
تلخ زندگی	بغیر رام کے بھرت اجودھیا میں اس طرح رہتے ہیں جیسے چمپا کے باغ میں بھونرا (چمپا کی خوشبو بھونرے

کو ناگوار ھے)۔

بھرت کا دل	بھرت کا دل ایسا نرمل ہو گیا جیسے موسم خزاں میں پانی گھٹتا۔ آکاش نرمل ہوتا اور کنول کے پھول کھلتے ہیں۔
حسن کی تاثیر	سروپ نکھا رام لچھمن کے حسن کو دیکھکر اس طرح بیکل ہو گئی جیسے آتشی شیشے سے سورج کے مقابل آکر آگ نکلنے لگتی ھے۔
رام کمان کھینچنے کی حالت میں	رام نے چمکتی کمان چڑھائی۔ وہ گویا نیلم کے پہاڑ ہیں جس پر رہ رہ کر بجلی کوند رہی ھے۔
رام راچھسوں کے درمیان	رام کو راچھسوں نے اس طرح گھیر لیا جیسے نکلتے ہوے سورج کو راہو گھیر لیتا ھے۔
رام کے بان	رام کے سخت بان اس طرح چلے گویا بہت سے سانپ پھنکار مارتے چلے جاتے ہیں۔
آنسوؤں کو ضبط کرنا	آنسو آنکھوں سے نکلتے نکلتے رہ گئے جیسے بخیل آدمی اپنے سونے کو چھپا لیتا ھے۔
عورت کی ضد	آگ کس چیز کو نہیں جلا سکتی۔ سمندر میں کیا نہیں سما سکتا۔ دنیا میں موت کس کو نہیں کھاتی۔ اسی طرح عورت کی ضد کیا نہیں کر سکتی۔
بار حکومت کا تحمل نہ کر سکنا	لچھمن نے کہا۔ میں حکومت کا یہ بوجھ کیسے اُٹھا سکتا ہوں۔ کیا ہنس مندراچل پربت اور سمیر پربت کو اُٹھا سکتے ہیں؟
خوف زدگی	سمترا لچھمن کے بچن سن کر اس طرح سہم گئی جیسے ہرنی جنگل میں چاروں طرف آگ کو دیکھکر سہم

جاتی ہے —

بیقراری اور گھبراہٹ

سب اس طرح بیکل ہو رہے ہیں جیسے مکھیاں شہد کے چھن جانے سے بیکل ہوتی ہیں - رام کو نہ پا کر لوگ اس طرح بیکل ہو گئے جیسے سمندر میں کوئی جہاز ڈوب گیا ہو - شہر کے مرد و عورت اس طرح بیکل ہیں جیسے مچھلیاں پانی کے گھٹنے سے - راجا کے رونے کی آواز سن کر محل میں ایسی گھبراہٹ پھیل گئی گویا جانوروں کے رہنے کے جنگل میں رات کو پتھر برس پڑے

میاں بی بی کا ساتھ

سیتا نے رام سے کہا - پرچھائیں جسم کو چھوڑ کر کہاں جاسکتی ہے - دھوپ سورج کو کس طرح چھوڑ سکتی ہے - چاندنی چاند سے الگ تھلگ کیوں کر رہ سکتی ہے - اسی طرح میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی —

ملاقات کی خوشی

وہ رام سے مل کر ایسا خوش ہوا جیسے مفلس کو سنگ پارس ہاتھ آجائے —

برے والدین کی اچھی اولاد

اے بھرت ! تم کیکئی کے بیٹے ہو مگر تم میں اُس کے برخلاف خوبیاں ہیں - عیب نہیں - جیسے سانپ میں زہر ہوتا ہے مگر من زہر کا دور کرنے والا ہے —

رام کی کتھا کا اثر

رام کی کتھا کلجگ کے پاپوں کے لئے ایسی ہے جیسے سانپوں کے لئے بھرنی اور ایمان کے لئے وہ ایسی ہے جیسے آگ کے لئے ارنی - (بھرنی ایک چھوٹا سا پرندہ ٹڈی کے برابر ہوتا ہے جب سانپ کو دیکھتا ہے تو پر سمیٹ کر بیٹھ جاتا ہے - سانپ اُس کو پکڑ کر نگل جاتا ہے - وہ اُس کے پیٹ میں پہنچ کر اپنے پر پھیلا دیتا ہے اور اس کا پیٹ پھٹ جاتا اور وہ مرجاتا ہے - ارنی ایک لکڑی کا نام ہے - جس سے آگ بہت جلد بھڑکتی ہے) - رام کی کتھا کام دھینو گاے ہے - (کام دھینو ایک گاے ہے جو اندر

کے پاس ہے اور بہت دودھ دیتی ہے اور سمندر کے بلونے سے نکلی تھی) وہ سنجیونی بوتی ہے وہ مکپ برکش ہے—

دیگر تشبیہات

علاوہ تشبیہات مذکورۂ بالا کے ذیل کی نفیس تشبیہوں کو دیکھو جو تلسی داس کے کلام میں جابجا آتی ہیں: —

سفید چادروں کی شبیہ دودھ کے جھاگوں سے—

سخت چیز کی تشبیہ کچھوے کی پشت سے—

گانے والے گلے کی تشبیہ کویل یا کوکلے کے گلے سے—

کینے کی تشبیہ آوے کی آگ سے—

عمدہ چال کی تشبیہ مست ہاتھی یا ہنس کی چال سے—

فکر و تردد کی حالت میں کبھی پیچھے ہٹنے اور کبھی آگے بڑھنے کی تشبیہ جلالی کی چال سے (جلالی پانی کا ایک کیڑا ہے۔ بھونری بھی کہتے ہیں۔اِس کا رنگ کالا ہوتا ہے)—

ناف کی تشبیہ بھنور سے—

بھووں کی تشبیہ کام دیو کی کمان سے—

کمر کی تشبیہ شیر کی کمر سے—

ران کی تشبیہ کیلے کے گابھے سے—

رونے کی تشبیہ ٹڈی کے چلانے سے—

آنکھوں کی تشبیہ ممولے یا مچھلی کی آنکھوں سے—

ناک کی تشبیہ طوطے کی چونچ سے—

گلے کی تشبیہ فاختہ کے گلے سے—

بالوں کی تشبیہ بھونرے سے—

دانتوں کی تشبیہ انار کے دانوں سے—

گورے بدن کی تشبیہ بجلی سے—

چوٹی کی تشبیہ سانپن سے —

چہرہ کی تشبیہ کنول سے—

اظہار خیال کے سانچے

علاوہ تشبیہات کے تلسی داس نے مختلف خیالات کو جن عمدہ اور لطیف پیرایوں میں ادا کیا ہے اُن کے چند نمونے بھی یہاں پیش کئے جاتے ہیں—

شاعر کی عزت اور تعظیم کے لئے سرستی دیوی برھما کا بھون چھوڑ کر دوڑی آتی ہے—

میں ایسے اگم پریم (بے تھاہ محبت) کو کیوں کر بیان کروں-کیا اُس تانت سے جس سے اُون دھنی جاتی ہے عمدہ راگ نکل سکتے ہیں—

اندھیرا دوپہر کے سورج کو نگل جاے-گگن (فضا) میں بادلوں کو دوڑنے کا رستہ نہ ملے-اگست منی جو سمندر کو تین چلو میں پی گئے تھے-ایک گڑھے کے پانی میں ڈوب جائیں-زمین اپنے سکون کی حالت چھوڑ دے-مچھر کی پھونک سے سمیر پربت اُڑ جاے-یہ سب کچھ ممکن ہے مگر بھرت جی کو راج مد (سلطنت کا نشہ یا غرور) نہیں ہوسکتا—

سونا کسنے سے-جواہرات پرکھنے سے اور شریف انسان برتاؤ سے جانے جاتے ہیں—

اُس نے اپنے دل کے سونے کو ایمان کی آگ میں تایا-خالص کندن نکلا—

راجا کے در پر لوگوں کا ایسا ہجوم ہے کہ اگر کوئی پتھر پھینکا جاے تو وہ بھی پیروں میں آکر خاک ہوجاتا ہے—

ہم آئینہ میں اپنے عکس کو پکڑ سکتے ہیں-مگر عورت کے دل کی حالت معلوم نہیں ہوسکتی—

تم درخت کاٹ کر پتوں کو سینچتے ہو اور مچھلی کے زندہ رکھنے کے لئے پانی کو خشک کرتے ہو (یعنی فایدہ کی توقع اُلٹی باتوں سے رکھتے ہو)—

دنیا کے تعلقات کا خیال بغیر بھگوان کی دیا کے نہیں جاتا۔ اگر آسمان پر ایک کی جگہ سولہ چاند نکل آئیں اور تمام ستارے اپنی پوری روشنی کے ساتھ طلوع کریں اور تمام پہاڑوں میں آگ لگ جاے تو بھی بغیر سورج نکلے رات نہیں جاتی—

جو لوگ بھگتی کو چھوڑ کر صرف گیان کے لئے محنت کرتے ہیں وہ گویا کام دھنو کو گھر پر چھوڑ کر دودھ کے لئے آکھی کی تلاش میں نکلتے ہیں—

چاہے کچھوے کی پیٹھ پر بال نکل آیئں اور چاہے آسمان میں رنگ برنگ کے پھول کھل جائیں مگر رام سے خلاف ہوکر کوئی جی سکھ نہیں پاسکتا چاہے خرگوش کے سر پر سینگ نکل آئیں اور چاہے اندھیرا سورج کو ہمیشہ کے لئے ناپید کر دے مگر رام سے خلاف ہوکر کوئی انسان راحت نہیں پاسکتا۔ چاہے برف سے گرمی پیدا ہو جاے۔ چاہے پانی کے متھنے سے گھی نکل آے۔ چاہے ریت کو کولھو میں پیلنے سے تیل بہنے لگے مگر رام بھگتی کے سوا کسی کی نجات ممکن نہیں—

بشنو سانپ کے پھن پر سوتے ہیں۔ مگر کوئی اُن کو برا نہیں کہتا۔ سورج اور آگ تمام رسوں کو کھاتے ہیں۔ مگر ان پر کوئی الزام نہیں۔ گنگا میں سب طرح کا پانی بہتا ہے۔ مگر کوئی اس بات کو برا نہیں بتاتا (یعنی بعض اشخاص کی برائیاں بھلائیاں بن جاتی ہیں) اگر چاند سے آگ ظاہر ہو تو ہو۔ مگر نارد جی کا قول جھوٹا نہیں ہوسکتا (یعنی اٹل ہے)—

خدا کی قدرت بھی عجیب ہے کہ وہ دودھ کے جھاگوں سے ہیرے کو توڑتا ہے (کہتے ہیں کہ جب تک ہیرے میں دودھ کے جھاگوں کی لاگ نہ لگائی جاے وہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ یعنی ادنیٰ چیزوں سے اعلیٰ کام ظہور

میں آتے ھیں)—

عورت کے دل کی کیفیت برھما بھی نہیں جانتے—

(دعا کا انداز) کو شلیا نے چلتے وقت سیتا سے کہا تمھارا سہاگ قایم رھے جب تک کہ گنگا اور جمنا میں پانی کی دھار چلتی ھے - تم سدا سہاگن رھو جب تک کہ زمین شیش ناگ کے سر پر قایم ھے —

شگون

رامایَن کی شاعری ھندؤں کی طرز معاشرت - اُن کے اخلاق - اُن کی رسوم - اُن کے مذہبی اعتقادات اور اُن کے توھمات کی ترجمان ھے - چنانچہ شادی - غمی - تخت نشینی اور پوجا کی رسموں کی طرح اس کتاب میں جابجا مبارک اور منحوس شگون بھی درج ھیں جن کو ھندو قوم آج تک مانتی چلی آتی ھے مثلاً رامایَن کے مطالعہ سے معلوم ھوتا ھے کہ بائیں آنکھ پھڑکنا عورت کے لئے مبارک ھے برخلاف اِس کے مرد کی دائیں آنکھ کا پھڑکنا نیک شگون ھے - ماں اس خیال سے کہ بچے کو نظر نہ لگے تنکے توڑ توڑ کر اُس کی طرف دیکھتی ھے —

سفر کے وقت اگر نیل کنٹھ بائیں طرف دکھائی دے یا دائیں طرف کوا اور نیولا نظر آے یا کوئی عورت بچہ اور گھڑا لئے رستے میں دکھائی دے یا گاے اپنے بچے کو دودھ پلاتی نظر آے یا دائیں طرف ھرنوں کی ڈار دکھائی دے یا شاما بائیں طرف کسی پھلے پھولے درخت پر بیٹھی ھو یا دھی اور مچھلی سامنے آتی ملے یا دو برھمن ھاتھ میں کتاب لئے نظر آئیں تو یہ سب مبارک شگون ھیں - اِس کے برخلاف اگر کوے بری طرح کائیں کائیں کرتے ھوں یا گدھے اور گیدڑ شور مچاتے ھوں تو یہ برا شگون ھے —

پتھر کی مورتوں کی آنکھوں سے آنسو نکلنا منحوس ھے اور یہ راج کے لئے برا شگون ھے —

سفر سے واپسی کے وقت دائیں بازو یا دائیں آنکھہ کا بار بار پھڑکنا یا بائیں طرف کسی کا چھینکنا اچھا شگون سمجھا جاتا ھے۔

لڑائی کے وقت حسب ذیل شگون منحوس خیال کئے جاتے ھیں۔ہتیار ھاتھہ سے چھوٹ کر گرنا۔گھوڑوں یا ھاتھیوں کا چنگھاڑ کر پیچھے ھٹنا۔ گیدڑوں۔گدھوں یا کتوں کا رونا۔الو کا خوفناک آواز سے بولنا۔گدوں کا سروں پر منڈلانا۔

علاوہ رسموں اور شگونوں کے رامائن کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ھوتا ھے کہ عورت کے لئے اُس زمانے میں نو طرح کے سنگار تھے۔بزرگوں کی تعظیم سولہ طریقے سے کی جاتی تھی۔غرض کہ جتنے غور سے اس کتاب کا مطالعہ کیا جاے اسی قدر یہ بات روشن ھوگی کہ ھندو زندگی و معاشرت کا کوئی شعبہ شاعر کی نظر سے نہیں بچا۔

تلمیحات

اب ھم اُن تلمیحات پر ایک نظر ڈالتے ھیں جن کے اشارے رامائن میں ھیں اور جو ھندو ادب کی روح رواں ھیں۔

کال نیمی راون اور راھو کی عیاری

ایک جگہ تلسی داس نے لکھا ھے کہ "جو لوگ عیار اور مکار ھوتے ھیں اور لوگوں کو فریب دیتے ھین اُن کا فریب ایک دن کُھل جاتا ھے اور وہ ذلیل و رسوا ھوتے ھیں اور وہ فریب اُن کے لئے تباھی و بربادی کا سامان ھوتے ھیں۔جیسا کہ کال نیمی راکشس اور راون اور راھو کا فریب کُھل گیا تھا"۔

کال نیمی ایک راکشس (راچھس) تھا۔جب ھنومان جی سنجیونی بوٹی لینے کے لئے درونا چل پربت کو جانے لگے تو رستے میں یہ راکشس ھنومان جی کو دھوکا دینے اور اُن کے کام میں کھنڈت ڈالنے کے لئے ایک سادھو کے لباس میں بیٹھہ گیا اور رام کی کتھا کھنے لگا۔مگر ایک مچھلی نے اُس کی عیاری کا

راز کھول دیا اور وہ ہنومان جی کے ہاتھہ سے ہلاک ہوگیا—

راون کے فریب سے وہ واقعہ مراد ہے جب کہ وہ فقیر کا بہروپ اختیار کرکے سیتا جی کی جھوپڑی کے آگے پہنچا اور اُن کو فریب دیکر اپنے ساتھہ لے اُڑا-اُس کا فریب بھی رام چندر جی کو معلوم ہوگیا اور آخر کار وہ جنگ میں مارا گیا—

راہو جو ایک دیت تھا اُس کے فریب کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ جب شیو جی نے دیوتاؤں کو آب حیات پلانا چاہا تو وہ دیوتاؤں میں چھپ کر بیٹھہ گیا اور آب حیات پی لیا-مگر سورج اور چاند نے اُس کا راز کھول دیا-شیو جی نے اپنا چکر مار کر اُس کا سر اُڑا دیا—

اگست منی اور سمندر

ایک جگہ تلسی داس لکھتے ہیں کہ "رام کی سرگزشت کے واقعات نفسانی ہوا و ہوس کے سمندر کے لئے مثل اگست منی کے ہیں"—

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سمندر ایک ٹٹدی کے انڈے بہا لے گیا-اُس پر ٹٹدی نے ارادہ کیا کہ سمندر کو خشک کردے-وہ سمندر کا پانی چونچ میں بھر بھر کر باہر ڈالنے لگی اور باہر سے مٹی چونچ میں لا لا کر سمندر میں پھینکنے لگی تا کہ سمندر مٹی سے پات دیا جاے-اتفاق سے اُس وقت اگست منی وہاں آنکلے-اُنہوں نے یہ حال دیکھہ کر ٹٹدی سے پوچھا کہ تو یہ کیا کرتی ہے-اُس نے سارا واقعہ بیان کیا-اگست منی کو اُس کے حال پر رحم آیا-وہ تین چلو میں سمندر کے سارے پانی کو پی گئے-سمندر کے خشک ہونے پر ٹٹدی نے اپنے انڈے تلاش کر لئے-سمندر نے منی سے منت خوشامد کی تو انہوں نے سمندر کا پانی اُگل دیا-مگر بدعا کے اثر سے اُس کو ہمیشہ کے لئے کھاری بنا دیا—

پلکوں میں رہنے والا نبی

ایک جگہ راماین میں لکھا ہے کہ "جانکی جی کے حسن و جمال کو دیکھہ کر رام کی آنکھیں کھلی کی

کھلی رہ گئیں-گویا نمی نے گھبرا کر پلکوں کی سکونت چھوڑ دی"—

نمی ایک راجہ تھا-بشِشت منی کی بدعا سے اُس کا جسم فنا ہوگیا تھا-گوتم وغیرہ نے یگ کرکے اُسے دوبارہ زندہ کیا-اُس نے دیوتاؤں سے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میں اب ایسا جسم نہیں چاھتا جو فنا پذیر ہو-اُس کی التجا پر دیوتاؤں نے کہا کہ اچھا اب تمھاری روح انسانوں کی پلکوں پر رہیگی-چنانچہ نمی کی سکونت اب پلکوں پر ھے اور اُسی کے سبب سے پلکیں کھلتی اور بند ہوتی ھیں-جب رام کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تو گویا نمی نے اُن کی پلکوں پر رہنا چھوڑ دیا—

سانپوں کی ماں کدرو
اور
کلنگوں کی ماں بنتا

منترا جو رانی کیکئی کی باندی ھے رانی کو رام چندر جی کے خلاف بھڑکاتی ھے اور کہتی ھے کہ "اے رانی جس طرح کدرو نے بنتا کو دکھہ دیا تھا اسی طرح رام کی ماں کوشلیا تمھیں دکھہ دیگی"—

کہتے ھیں کہ راجہ کشپ کی دو بیبیاں تھیں-ایک کا نام کدرو اور دوسری کا نام بنتا تھا-راجہ کی طبعیت بنتا کی طرف زیادہ مایل تھی-ایک دن کدرو نے بنتا سے پوچھا کہ سورج کی رتھہ کے گھوڑے کس رنگ کے ھیں-اُس نے کہا سفید رنگ کے-کدرو نے کہا-نہیں سفید رنگ کے نہیں-چتکبرے ھیں-باتوں باتوں میں یہ شرط ٹھیری کہ جو ھارے وہ دوسری کی باندی بن کر رھے اور گھر کا سارا کام کاج وھی کرے-کدرو نے یہ شرط ٹھیرا کر اپنی اولاد سانپوں سے کہا کہ اگر تم سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اُس کی رتھہ کے گھوڑوں کو جالپٹو جس سے وہ چتکبرے دکھائی دیں تو میں بنتا سے شرط جیت لوں گی-سانپوں نے ایسا ھی کیا-سورج کی رتھہ کے گھوڑے چتکبرے نظر آئے-اُس دن سے بنتا باندی بن گئی اور گھر کی تمام خدمت اُس کے ذمے ٹھیری-اس زمانے میں کدرو نے بنتا کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں-کلنگوں کی ماں

بنتا سے ایک دن اُس کے ایک بیٹے نے اُس کے افسردہ اور غمگین رہنے کا سبب پوچھا۔اس نے کدرو سے شرط ہارنے کا سارا حال کہہ سنایا۔گرڑ (کلنگ) یہ سنکر بشنو جی کے پاس پہنچا اور اُس نے سارا حال کہکر التجا کی کہ مجھے یہ بردان دیئجے کہ میں سانپوں کو کھا جایا کروں اور مجھے زہر چڑھنے نہ پائے۔بشنو نے اُس کی التجا قبول کی۔اُس دن سے کلنگوں نے جو بنتا کی اولاد تھے کدرو کی اولاد یعنی سانپوں کو کھانا شروع کیا۔یہ دیکھکر کدرو گھبرائی اور اُس نے بنتا سے کہا۔میں نے اپنے کئے کا پھل پایا۔اب تم اپنے فرزندوں کو میرے فرزندوں کے کھانے سے روک دو۔میں بطور سابق گھر کی خدمت کیا کروں گی۔اس پر بنتا نے کلنگوں کو سانپوں کے کھانے سے منع کردیا اور کدرو پھر خادمہ بن گئی —

بات کے دھنی راجہ شو راجہ بلی اور ودھیچ رشی

رانی کیکئی نے راجہ جسرت سے کہا کہ "جو قول آپ نے دیا تھا اُس کو پورا کرو جس طرح کہ راجہ شو راجہ بلی اور ودھیچ رشی نے اپنے بچنوں کو پورا کیا تھا اور اپنے نقصان اور ہلاکت کی مطلق پروا نہیں کی تھی" —

کہتے ہیں کہ راجہ شو نہایت راستباز اور دیندار تھا۔اُس کی صداقت کا امتحان کرنے کے لئے زمین نے کبوتر کا روپ بھرا اور دھرم نے باز کی شکل اختیار کی۔پھر دونوں ہوا میں لڑنے لگے۔کبوتر باز کے سامنے سے بھاگ کر راجہ کی گود میں آ پڑا اور اُس نے التجا کی کہ مجھے باز سے پناہ دو اور میری جان بچاؤ۔راجہ نے کبوتر پر اپنی ڈھال رکھدی اور اُس کو چھپا دیا۔اتنے میں باز آ پہنچا۔اُس نے کہا میں کئی دن سے بھوکا ہوں۔تم نے میری خوراک مجھہ سے چھین لی۔یہ دھرم کی بات نہیں ہے۔مجھے کبوتر واپس دو ورنہ میں تمہیں بددعا دوں گا۔راجہ نے کہا وہ میری پناہ میں آ گیا ہے اور میں اُس سے قول ہار چکا ہوں اس لئے کبوتر تمہیں واپس نہیں مل سکتا۔باز نے کہا اگر کبوتر

نہیں دیتے تو کبوتر کے برابر گوشت اپنے بدن سے کاٹکر دیدو-اس پر راجہ راضی ہو گیا-ترازو منگا کر اُس کے ایک پلڑے میں کبوتر کو رکھا اور دوسرے پلڑے میں اپنے بدن سے گوشت کاٹ کاٹ کر چڑھانا شروع کیا مگر کبوتر والا پلڑا زمین سے نہ اُٹھا-بدن کا سارا گوشت ختم ہو چکا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں-راجہ نے اپنا سر کاٹ کر ترازو میں چڑھانا چاہا-چھری ہاتھہ میں لی ھی تھی کہ دھرم نے اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو کر راجہ کا ہاتھہ تھام لیا اور امتحان کے منصوبے کا سارا حال کہہ سنایا-اتنے میں راجا نے وفات پائی اور وہ سیدھا بہشت میں جا پہنچا—

راجہ بلی کی صداقت کا امتحان بشنو جی نے کیا تھا-اُنہوں نے برھمن کے بھیس میں آکر راجہ سے ساڑھے تین قدم زمین مانگی-جب راجہ نے زمین دینا قبول کر لیا تو اُنہوں نے تین قدموں میں تینوں لوک ناپ لئے اور آدھے قدم میں خود راجہ کے جسم کو ناپا-اس پر راجہ پاتال کو بھیج دیا گیا مگر اُس نے بشنو جی سے کہا کہ آپ نے فریب سے مجھہ پر فتح پائی اس لئے میں یہ بردان مانگتا ہوں کہ آپ میرے دروازہ پر رہا کریں-تب سے برھما-بشنو اور مہیش باری باری سے چار چار مہینے راجہ بلی کی ڈیوڑھی پر رہا کرتے ھیں—

کہا جاتا ھے کہ اندر کی لڑائی برترا وغیرہ راچھسوں سے ہوئی مگر اندر نے شکست پائی-نرائن نے مشورہ دیا کہ ودھیچ رشی کی ہڈیوں کا ھتیار بناؤ تو برترا اور دیگر راچھسوں پر البتہ تمھیں فتح حاصل ہو سکتی ھے-یہ سنکر اندر سب دیوتاؤں کے ساتھہ رشی کے پاس پہنچے اور اپنا مطلب بیان کیا-رشی نے سوچا کہ اول فنا آخر فنا-کیوں نہ میرا جسم کسی کار خیر میں صرف ہو-یہ سوچ کر کہا کہ اچھا ایک گاے لاؤ اور میرے بدن پر نمک مل دو-گاے اُس نمک کو چاٹتی رھے اس طرح میرا تمام جسم وہ چاٹ جاے گی اور صرف ہڈیاں باقی رہ جائیں گی-پھر اُن سے تم اپنا مطلوب ھتیار بنا سکتے ہو-چنانچہ ایسا ھی

کیا گیا۔اندر نے رشی کی ہڈیوں سے اپنا مشہور ہتیار بجر بنایا اور اُس کی مدد سے راچھسوں پر فتح پائی —

ضدی گالومنی اور راجہ ہنس

" رام نے سیتا جی سے کہا جو لوگ ویدوں کے مطابق دھرم کے فرائض انجام دیتے ہیں وہ دھرم کا پھل پاتے ہیں مگر جو لوگ ضد اور ہٹ سے کام لیتے ہیں اُن کو آخر کار تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے جیسے گالومنی اور راجہ ہنس نے اپنی ضد کا برا انجام دیکھا " —

گالومنی بشوامتر کا شاگرد تھا۔جب وہ تمام علم حاصل کر چکا تو اُس نے اُستاد سے کہا کہ آپ جو مانگیں میں اُس کے مہیا کرنے پر کمر بستہ ہوں۔بشوامتر نے کہا میں اس کو تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں۔گالومنی نے کہا نہیں جو آپ کی خواہش ہو میں اُس کو پورا کروں گا۔ہر چند اُستاد نے سمجھایا مگر شاگرد اپنی ہٹ سے باز نہیں آیا۔مجبوراً اُستاد نے کہا اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو پھر میرے لئے آٹھ سو مشکی گھوڑے لا کر دو۔گالو ساری دنیا میں پھر کر اور ہزاروں تکلیفیں اُٹھا کر بھی چار سو گھوڑوں سے زیادہ مہیا نہ کر سکا اور اُس کو اُستاد کے سامنے ذلیل ہونا پڑا —

راجہ ہنس نے عبادت کرتے کرتے اندر کا مرتبہ حاصل کر لیا۔جب بھوک میں اندرانی سے اُس نے کھانا طلب کیا تو اندرانی نے کہا اگر تم برہمنوں کو اپنی سواری بناؤ اور اُن پر سوار ہو کر آؤ اور اُن کے غضب کا تحمل کرو تو البتہ میں تمہاری خدمت کروں گی۔اس پر اُس نے اپنی پالکی برہمنوں کے سر پر رکھی اور خود پالکی میں سوار ہوا اور برہمنوں سے کہا۔سرپ سرپ یعنی جلد جلد چلو۔سرپ سانپ کو بھی کہتے ہیں۔اگست منی نے اُسے بد دعا دی اور وہ سانپ بن کر زمین پر گر پڑا —

راجہ بیاتی جو بہشت سے زمین پر گرا یا گیا

" راجہ جسرت اس طرح بیکل پڑے ہیں جس طرح راجہ بیاتی بہشت سے زمین پر گرا دیا گیا تھا " —

راجه بیاتی نے بہت سے نیک کام کئے اور اُن کے سبب وہ بہشت میں جا پہنچا اور راجه اندر کی گدی پر جا بیٹھا۔ برسپتی جی کے مشورہ سے راجه اندر نے راجه بیاتی سے پوچھا تم نے ایسے کیا نیک اعمال کئے ھیں جن کے سبب تم کو یہ مرتبہ حاصل ھوا۔ راجه بیاتی نے اپنے نیک اعمال کی تفصیل شیخی اور غرور سے کی۔ انجام یہ ھوا کہ اُس کے تمام اعمال اکارت ھو گئے اور وہ اُس رتبہ کے لایق نہ رہا جس کو اُس نے حاصل کیا تھا۔ دیوتاؤں نے اُس کو بہشت سے نیچے گرا دیا—

دُرباسا رشی اور سدرشن چکر

راجه اندر کا بیٹا سرپتی کوے کے روپ میں آیا اور عین اُس وقت جب کہ رامچندر جی سیتا کے زانو پر سر رکھے سو رہے تھے سیتا کے پاؤں کو چونچ مار کر زخمی کر دیا۔ رامچندر جی کی آنکھ کُھلی تو اُنھوں نے سینک کا بان بنا کر اُس کوے کی طرف دوڑایا۔ تلسی داس لکھتے ھیں کہ ”وہ رام کے بان سے ایسا خوف زدہ ھوا جیسا کہ دُرباسا رشی سدرشن چکر سے خوف زدہ ھوا تھا“—

کہتے ھیں کہ راجه امبریش ایکادشی کو روزہ رکھکر دوادشی کے دن پہلے برھمنوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا پھر خود کھاتا تھا۔ ایک دفعہ دوادشی کے دن دُرباسا رشی اس راجه کے پاس پہنچے۔ راجه نے رشی سے بھوجن کرنے کو کہا مگر رشی نے کہا ھم ذرا اشنان کر آئیں۔ تم اتنے ٹھیرے رھو۔ یہ کہکر رشی مذکور چل دئے۔ جب بہت دیر ھو چکی تو راجا نے اِس بات میں پنڈتوں سے صلاح لی۔ اُنھوں نے کہا کھانا ابھی نہ کھاؤ مگر چرنا مرت (مورتی کے پاؤں دھو کر جو پانی حاصل کیا جاے اُسے چرنا مرت کہتے ھیں) لے سکتے ھو۔ راجه نے ایسا ھی کیا۔ رشی نے آکر جب یہ بات سنی تو خفگی کا اظہار کیا اور کہا کہ تو نے بغیر ھمیں جہاے کیوں ایسا کیا۔ ھم تجھے بد دعا دیں گے۔ اِس پر سدرشن چکر (وشنو کے ایک معجزنما ھتیار کا نام ھے) جو راجه کی حفاظت کرتا تھا دُرباسا رشی کے پیچھے لپکا۔ رشی بہت گھبراے اور پناہ لینے کے لئے سب کے پاس

گئے مگر کہیں ٹھکانا نہ ملا- ناچار ہو کر راجا سے معافی چاہی- تب سدرشن چکر نے رشی کا پیچھا چھوڑا—

برندا تلسی کی شکل میں

"اے جانکی! عورت کی فطرت اچھی نہیں ہے- لیکن اگر وہ شوہر کی خدمت گزار ہو تو اُس کی عاقبت برندا کی طرح اچھی ہو سکتی ہے"—

جلندھر ایک راچھس کا نام تھا- اُس کی بیوی کا نام برندا تھا- برندا اپنے شوہر کی پوری خدمت گزار تھی- اِس کا صلہ اُس کو یہ ملا کہ وہ تلسی گھاس کی شکل میں تبدیل ہوگئی اور ہمیشہ ہری رہتی ہے اور وشنو جی کو پیاری ہے—

راماین میں تلمیحات بہت سی ہیں مگر ہم نے یہاں چند دلچسپ تلمیحیں انتخاب کر کے لکھہ دی ہیں- بہت سے تلمیحی قصے ایسے ہیں جن کا تعلق بددعاؤں کے اثر سے ہے- اُن میں سے اکثر کو ہم نے چھوڑ دیا ہے مگر اُن قصوں سے جو ہندؤں کی زبانوں پر ہمیشہ رہے ہیں یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ برہمنوں- رشیوں اور سادھوؤں کے متعلق یہ عقیدہ عام طور سے رہا ہے کہ اُن کی بددعا فوراً اثر کرتی ہے اور جو کچھہ اُن کی زبان سے کسی کی نسبت نکل جاتا ہے وہ اٹل ہے —

اگر اس مضمون سے اُردو زبان کے نوجوان انشاپردازوں اور شاعروں کو کچھہ فایدہ پہنچا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی —

وللہ التوفیق



نواے گل

از

(جناب ابوالمالی اختر شیرانی الافغانی سلمہ)

دیار دوست سے کوئی پیام لیکے آئی ہے ہواے گُل
کہ گود میں مچل رہے ہیں سینکڑوں حسین خندہ ہاے گُل

بہار ہے، اگر خداے گُل، تو بوے گُل کو جانیے دعاے گُل
چمن میں آکے، آدھی آدھی رات کو سنے کوئی نواے گل

زمین و آسماں کا، راز عشق کُھل گیا، جو شوخ چاند نے
کرن کے تار تار میں پرو لئے، چرا کے خندہ ہاے گُل

چمن میں روتے روتے، بلبل آخر ایک گھری نیند سو گئی
دبی زبان سے، مرتے مرتے، اتنا کہنے پائي تھی کہ ہاے گُل

نسیم صبح کی رقابتیں "حباب کی زباں" سے کہہ نہ دیں
یہ نہر لے تو جا رہی ہے بھر کے دامنوں میں بوسہ ہاے گُل

لرز رہا ہے میرا دل، کہیں خزاں کی آندھیاں گرا نہ دیں
کہ جھولتی ہے تین چار پتیوں پہ کاروانسراے گُل

کہیں نہ کوچ کر رہا ہو، گلستاں سے قافلہ بہار کا
یہ آج منہ اندھیرے ہی سے جاگ اُٹھا ہے ورنہ کیوں دراے گُل

مرے دل و دماغ و گوش و چشم و تن پہ کیف بنکے چھا گئی
اداے گُل، ہواے گُل، نواے گُل، فزاے گُل، قباے گُل

حریمِ رنگ و بو، میں دیکھئے، ھے ملکۂ بہار، جلوہ گر
ھوائے سرد نے اُٹھا دئے ھیں ھر طرف سے پردہ ھائے گُل

یہ آرزو ھے اختر اب کہ مرکے اسکے رنگ و بو میں سو رھوں
مرا مزار ھو سرائے گُل، مرا کفن بنے قبائے گُل



حضرت خواجہ میر درد

از

(جناب مولوی محمد عظمت اللہ خان صاحب بی اے)

اس دنیا میں پیدا ہوے اور سمجھ بوجھ کے آنے کے بعد سونچے والے دل پر دو عالمگیر واقعات پتھر کی سی لکیر ہو جاتے ہیں۔ایک پیدا اور دوسرا ناپید ہونا۔سن و سال کا جوں جوں بوجھ بڑھتا جاتا ہے موت کا مسئلہ زیادہ اہمیت اختیار کرتا جاتا ہے اور انسان کو یہ تردد اور کھوج ہونے لگتا ہے۔

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آے تھے کدھر چلے؟
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں؟

موت کے اٹل ہونے کے تصور کے ساتھ ہی نہ مٹنے کی آرزو انسان کی تمام آرزوں پر چھاتی جاتی ہے اور اس خیال میں ایک بڑی حد تک سچائی ہے کہ انسان کے گوناگوں علوم و فنون توہمات اور مذاہب اسی آرزو کا کرشمہ ہیں۔موت وہ زبردست آنکس ہے جس نے انسان کو بیدار کیا۔اس کی غفلت کو دور کیا اور اس کی ارتقا کی سرگرمیوں کو قایم رکھا۔

مآل کار سمجھا یا قبور نے ہم کو
یہ نقد مال لگا ہاتھہ اس دفینے سے

ہر شخص کے دل میں یہ تمنا چٹکیاں لیتی ہے کہ کسی طرح حیات دوام کا گُر ہاتھہ آجاے۔کوئی انسان ایسا نہیں کہ اس آرزو کو اپنے دل کے سب سے گہرے گوشہ میں چھپاے نہ رکھتا ہو۔انسان کی ساری سرگرمیاں جان بوجھکر یا انجان طور پر اِسی آرزو کی بنیاد پر ٹکی ہوئی ہیں۔مذہب۔فلسفہ اور سائنس کی کامیابی کی معراج یہی ہو سکتی ہے کہ انسان غیر فانی ہو جاے۔ آب حیات کا کوئی نسخہ اُس کے ہاتھہ لگ جاے—

پانی۔گیس اور بجلی کی قوت سے انسان کام لینے لگا ہے اور اِن قوتوں کو بنی آدم کی راحت اور آرام کے لئے گھر گھر تقسیم کر سکتا ہے۔لیکن وہ قوت جو ملک الموت کی دسترس سے آدمی کو بچالے ابھی تک قابو میں نہیں آئی۔ارضیاتی نقطۂ نظر سے زمین کروڑوں برس کی بڑھیا ہونے کو آئی۔نوع انسان کو بھی وجود میں آے سینکڑوں صدیاں گذر چکی ہیں لیکن اِس مدت مدید میں کوئی ایک آدہ خوش قسمت انسان بھی ایسا پیدا نہیں ہوا کہ موت کے چنگل سے بچ نکلا ہو اور اِس بات کو ثابت کردے کہ یہ ممکن ہے کہ مرنے مٹنے والا انسان بھی نور یا تاریکی کی طرح انمٹ ہو سکتا ہے۔ایسا اب تک نہیں ہوا اور نہ ان عالی ہمت لوگوں کا جو انسان کے غیر فانی ہو سکنے کے دعویدار ہیں یہ دعوی ہے کہ انسان اس اپنے خاکی جسم سمیت لا موت ہو سکتا ہے—

انسان میں بدن کے علاوہ ایک اور لطیف اور نفیس قوہ یا شے بھی ہے۔ روح۔اور یہ روح بدن سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔اس تعلق کا ہی نتیجہ ہے کہ بدن بدن ہے اور اس دنیا کے احساسات کی لذت اور حلاوت اُٹھا سکتا ہے۔اِس تعلق کا توٹنا موت ہے۔بے اِس کے بدن نرا مٹی کا ڈھیر رہ جاتا ہے اور بدن کے خمیر کے سارے عنصر بکھر بکھرا جاتے ہیں۔جن عالی ہمت ہستیوں کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ بدن سے بے تعلق ہونے کے بعد روح

اگرچہ ہمارے حواس سے پرے ہو جاتی ہے لیکن باقی رہتی ہے۔اُس کے لئے ایک اور زندگی شروع ہو جاتی ہے اور ان معنوں میں ہر انسان بلا کسی استثنا کے غیر فانی ہے۔البتہ ایک بات ہے کہ اِس قبر کے اُس پار والی زندگی کی عمدگی اور اِس دنیا کی حلاوت سے زیادہ حلاوت والی زندگی اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ اِس دنیا میں انسان جب تک بقید حیات ہے اُس کی کوشش یہ ہو کہ وہ اُس آنے والی حیات کا قبل از مرگ علم حاصل کرے اور اپنی اس ارضی زندگی کو اُس وسیع تر اور بلند تر حیات کے لئے ایک تربیت گاہ۔ایک عملی تیاری کا اکھاڑا بنائے —

موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے

مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

اس حیات مستقبل کے علم اور اُس کی روشنی میں حیات ارضی کی تربیت کو معرفت یا تصوف کہتے ہیں۔اس علم کے پھاٹک پر موت پہرہ دیتی ہے۔ یوں تو اِس سنتری سے سارے باندھے ہر ایک کو ایک دن دوچار ہونا ہے لیکن اِس علم کے خزانے صرف اُن ہی بلند حوصلہ نفوس کے لئے ہیں جو جیتے جی اِس سے جی نہ چرائیں اور مردانہ وار درانہ اِس پھاٹک میں قدم رکھہ دیں۔ اِس علم کا مطمح نظر اِس قدر بلند ہے کہ اِس علم۔اِس سائنس کو تمام علموں کا علم اور ساری بدھیاؤں کا سرتاج ہونا چاہئے۔جن نڈر۔دور اندیش ہستیوں نے اپنی اس حیات مستعار کا مقصد اس علم کی تحصیل اور اپنے کیرکٹر کی تعمیر اور ارتقا کا راز اس علم کے تحت نفس و روح کا تربیت دینا سمجھا اُنہوں نے کرۂ ارض کے ہر خطہ میں اپنے ابنائے جنس کو اس طرف توجہ دلائی اور اس اعلیٰ ترین علم کے مطابق اپنے کیرکٹر کی تعمیر اور راز ہستی کے کھوج میں جو کچھہ واردات اُن کے قلب پر گذری اور جو جو انوکھی باتیں اُن پر ہویدا ہوئیں اُن کو ادبی صورت میں ظاہر کیا۔ہر شایستہ قوم کے ادبیات

کے بیش بہا حصہ میں بیشتر اِن بزرگ ہستیوں کے جان ڈالنے والے جواہر پارے آپ کو ملیں گے۔اُردو شاعری میں اس انمول خزانہ کی جس متبرک ہستی نے بنیاد ڈالی وہ حضرت خواجہ میر درد ہیں—

پھولے گا اِس زباں میں بھی گلزار معرفت
یاں میں زمین شعر میں یہ تخم بوگیا

اُردو ادبیات میں صوفیانہ شاعری کے باوا آدم درد ہیں اور جیسا کہ اِس شعر میں خود فرمایا ہے اُردو کی کنواری زمین میں اُن کے ہی پاک ہاتھہ سے یہ بیج بویا اور اُن کے پاک دل کی نہر نے اِس کھیتی کو سیراب کیا۔ یہ نہ سمجھنا چاھئیے کہ یہ کام کوئی مشکل کام نہ تھا۔اس لئے کہ فارسی میں اس رنگ کی شاعری صاحب دل شعرا کی نغمہ سرائیوں کی بدولت بہت کچھہ ارتقا پاچکی تھی۔اس کی نقل کردینا کون سا بڑا تیر مارنا ہے ؟ مگر واقعہ یہ ہے کہ جب تک دل پر وہ واردات نہ گزری ہو جس کو شاعر سریلے لفظوں میں ادا کرنا چاھتا ہے صوفیانہ شاعری کی نقالی بھی ممکن نہیں—

شعر ہے اور درد ہے یعنے
بات میں اور ہی جان پڑتی ہے

شاعر نقال نہیں ہوسکتا اور جو نقال ہے وہ شاعر نہیں۔معرفت تو بڑی بات ہے انگریز شعرا نے جس طرح قدرت کی تصویریں انسانی جذبات کے رنگوں سے کھینچی ہیں بلامطالعہ قدرت کوئی اُن کی ہی نقل کرکے دیکھہ لے۔خود انگریزی شاعری میں ملٹن کے قدرتی مناظر کتابوں کی عینک سے دیکھہ کر کھینچے گئے ہیں۔اُن میں وہ تازگی۔وہ زندگی نہیں جو ورڈس ورتھہ یا سون برن یا اور شعرا کے کلام میں ہے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے قدرت کو دیکھا اور رات اور دن کے اندھیرے اُجالے اور موسمی تغیرات کے ساتھہ ساتھہ اُس کے چہرہ کے بدلتے رنگ روپ کا تماشا کیا ہے—

درد خود صاحب دل تھے اور اُن کا کلام جو تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے۔جو انسان کے عرفانی ساز کو چھیڑ دیتا ہے اس کا گواہ ہے۔ان کی با برکت ذات سے اُردو ادب میں ایک ایسے دور کی ابتدا ہوئی جس کا رنگ اب تک اردو شاعری پر چھایا ہوا ہے۔نظیر اکبرآبادی کی ایک تنہا کوشش کے سوا حالی۔اکبر اور اقبال تک کسی شاعر نے اُردو شاعری میں کوئی نئی بات پیدا کی اور نہ کوئی نیا راستہ نکالا۔

تصوف کے مسایل کا سمجھ لینا کوئی دشوار امر نہیں۔یہ مسایل نہایت ہی سیدھے سادے ہیں۔ساری دقت تو اِس میں ہے کہ ان مسایل کی نہ صرف لفظوں کی حد تک ذہن گرفت کر لے بلکہ یہ نفس کے سامنے اس طرح آجائیں جس طرح مادی چیزیں رنگ و بو حرکت و سکون کی کیفیتوں کے ساتھ ہمارے حواس کے سامنے ہوتی ہیں۔دوسری طرح یوں کہئے کہ یہ مسایل محض زبانی جمع خرچ۔نری مثال ہی نہ رہیں بلکہ آنکھوں دیکھی من بسی چیزیں۔جیتا جاگتا حال بن جائیں۔معرفت میں اصل بات یہی ہے اور اس کا حاصل ہونا کھیل نہیں۔

معرفت کا اصل اصول یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق ایک ہے اور اس کائنات میں جو کچھ ہورہا ہے اُسی کے ارادہ کا ظہور ہے۔لہذا اعلی ترین علم کا مطمح نظر یہ ہونا چاہئیے کہ اس عالم کے پیدا کرنے والے کو جانا بوجھا اور سمجھا جاے۔اس بڑے مقصد کے لئے علم اور عمل دونوں ضروری ہیں۔ نظریہ اور مشاہدہ دونوں کو قدم بہ قدم چلنا چاہئیے۔معرفت کے عالم میں قلب ایسی نفسیاتی کیفیات اور روحانی حسیات سے دو چار ہوتا ہے جن سے عامۃ الناس کے حواس روز مرہ کی زندگی کی کھکیڑ میں نا آشنا سے رہتے ہیں۔ان کیفیتوں کو زبان کا جامہ پہنانا ہی اول تو ایک دشوار بات ہے اور پھر ایسا جامہ پہنانا کہ ہرکس و ناکس اُن سے لذت اندوز ہوسکے بادی النظر میں

قریب قریب نا ممکن سی بات ہے۔ معرفت کی طلسماتی درسگاہ میں قلب کو راست متاثر کرتا ہے۔ روشن قلوب کے لئے لفظ کا واسطہ باقی نہیں رہتا اس لئے کہ لفظ اُن کیفیات کے پوری طرح حامل نہیں ہوسکتے۔ تاہم جن نفوس پر عرفان کی واردات گزرتی ہے جو صاحب دل ہیں وہ اگر شاعر بھی واقع ہوں تو نظم یا نثر میں ان لطیف کیفیتوں کو اس طرح قادرالکلامی کے ساتھ ادا کرسکتے ہیں کہ وہ لوگ بھی جو معرفت سے نا آشنا ہیں ان کے کلام سے بہرہ ور اور مسرت اندوز ہوسکیں۔ کیوں کہ کوئی انسان ایسا نہیں کہ اس کی روح کی گہرائیوں میں وہ جذبات پوشیدہ نہ ہوں جو معرفت کی تعلیم اور تربیت کے بعد اُبھرتے ہیں۔ روشن دل شعرا کا کلام ایسے لوگوں کو صاحب حال تو نہیں بنا سکتا البتہ اُن کے اُن جذبات کے تاروں کو ضرور تھرتھرا دیتا ہے جو معرفت کی جان ہیں اور آن پڑھ اور پڑھے لکھے عورت اور مرد سب کی ہستی میں موجود ہیں۔ علاوہ اِس کے صوفیانہ کلام کا ایک اور بڑا فایدہ یہ بھی ہے کہ اِس سے انسان کا ذہن وسیع ہوتا ہے۔ جو لوگ تصوف کے کوچہ سے نابلد ہیں اُن کو بھی اس قسم کا کلام زندگی کے گہرے مسایل اور اَن بوجھی پہیلیوں کی طرف سونچنے پر لگا دیتا ہے اور اِس طرح اعلیٰ جانب سونچنے۔ حقیقت کی توہ میں لگا دینا ہی بہترین سے بہترین دل کو روشن اور نظر کو وسیع کرنے والی تعلیم کا مقصد ہوسکتا ہے۔

ابھی عرض کیا گیا ہے کہ معرفت کا مقصد اللہ تعالیٰ کا جاننا اور پہچاننا ہے۔ شاعرانہ پہلو سے جب معرفت کے مسایل پر نظر دوڑائی جائے تو لازمی ہوجاتا ہے کہ معرفت کی روح رواں خالق کائنات کی تصویر کھینچی جائے۔ اُس کو تخیلی پیکر دیا جائے۔ وہ شاعری جو تخیلی پیکر نہ پیدا کرسکے بے جان سی شے ہے۔ اسے نظم یا کلام موزوں کہئے لیکن کان کے آگے نفس کی جذباتی تہوں تک اِس کی رسائی نہیں۔ ایک شخص زندہ دل بھی ہے اور اس نے طبع موزوں بھی پائی

ھے- لیکن الفاظ میں جان نہیں ڈال سکتا- اس کا کلام تصوف کی خشک اور بے جان اصطلاحات کا مجموعہ ھوگا محض اس لئیے کہ شاعری کی جان پیدا کرنا تخیل میں صورت بندی کرنا ھے—

شاعر کے پاس صورت بندی کا کھل جاسم سم والا منتر تشبیہ اور استعارہ ھے- حقیقی شاعری کے حیرتناک طلسمات کی کنجی- شاعر کا اسم اعظم محض غیر مترقبہ جیتی جاگتی مشابہت اور مماثلت کا ڈھونڈھ نکالنا ھے- لیکن ساتھ ھی یہ دقت بھی در پیش ھے کہ اِس کائنات کی پیدا کرنے والی ھستی وہ ھستی ھے جو اپنی آپ ھی نظیر ھے- جس کی کوئی مثال نہیں اور جس کی ھمہ گیر وسعت انسان کے حواس اور تعقل کی گرفت سے بادی النظر میں قطعاً باھر ھے- درد فرماتے ھیں

کسو سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کو
دل اُس کے ھاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا
شب و روز اے درد درپے ھو اُس کے
کسی نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا
خوش خرامی اِدھر بھی کیجئیے گا
میں بھی جوں نقش پا ھوں چشم براہ
ھرچند یہ تمنا درخور نہیں ھمارے
نزدیک تو جو آوے کیا دور ھے کرم سے

اِس بے مثال ھستی کی پوری طرح اگر صورت بندی نہ ھوسکے تو بھی اتنا ضرور ھو سکتا ھے کہ اُس ذات لا محدود صفات کے کسی ایک پہلو کو لیکر صرف اُس پہلو کا ھی تخیلی پیکر بنایا جاے- اگر یہ صحیح ھے کہ اِس کائنات کے خورد بین سے بھی پوشیدہ ذرے اور ناقابل تصور بعد والے جرّوان رنگ برنگی سورجوں کا وجود ایک ھی ارادہ- ایک ھی تعقل اور ایک ھی حسن سے

رچا ہوا ہے تو نہایت ہی پیش پا اُفتادہ اور دور اُفتادہ اشیا میں مشابہت اور تماثلت کا محسوس کرنا کوئی اَن ہونی بات نہیں۔ سائنس کی ارتقا کا سارا راز یہی ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ایسی شباہت کے بھانپنے۔ تاڑنے اور اُڑانے کے لئے سورج کی کرن کی سی تیز نظر اور حسن کی برق سے کنپ کنپاتا دل درکار ہے۔ یہ چیزیں ایک سچے شاعر میں ودیعت ہوتی ہیں اور بڑی کڑیاں جھیلنے اور بڑے پاپڑ بیلنے کے بعد نظر منجتی اور دل حسن ربا بنتا ہے۔ ایسا شاعر ایسی روز مرہ کی دنیا میں حسن بے مثال کو دیکھتا ہے اور محض اس حسن کے پہلو کو تخیلی پیکر دیتا ہے۔ درد نے شاعر کی ایسی قوت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے—

درد تو کرتا ہے معنے کے تئیں صورت پذیر
دست رس رکھتے تھے کب بہزاد معنی اس قدر

بے ایسی جسارت کے ممکن نہیں کہ شاعری معرفت کا رنگ قبول کرے۔ باری تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت پیدا کرنا ہے۔ جب تک انسان کے دل و دماغ میں پیدا کرنے کی قوت موجزن نہ ہو یا دوسرے الفاظ میں جب تک انسان کا تخیل شاعرانہ نہ ہو خالق کائنات کے حسن کا احساس ممکن نہیں۔ زندگی نہ صرف پیدا ہونا ہے بلکہ پیدا کرنا بھی ہے اور زندہ دل ہی حیات ابدی کے اَن تھک سر چشمہ۔ اس اچنبھے والی کائنات کی روح رواں کو جان اور پہچان سکتا ہے—

اب ایک اور بات پیش نظر رکھنی چاہئے۔ وہ یہ کہ معرفت کے عملی میدان میں صاحب دل حضرات صدیوں کے تجربہ کے بعد اس حقیقت پر پہونچے ہیں کہ معرفت کا تنہا کارگر طریقہ عشق ہے—

اب سوال یہ ہے کہ عشق کیا ہے؟ عشق کا سمجھنا صوفیانہ شاعری کے سمجھنے اور اس سے حقیقی لطف اُٹھانے اور سبق حاصل کرنے کے لئے نہایت

ضروری ہے عشق کی بہترین مثال اور عشق کی جڑ وہ کشش ہے جو کنٹھہ کے نکلنے اور سینہ کے اُبھرنے کے بعد ایک تندرست نوجوان اور ایک دوشیزہ کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتی ہے۔ اس کشش کا اصلی راز وہ زبردست انجان خواہش ہے جو جانداروں کو پیدا کرنے پر ابھارتی اور دھکیلتی ہے۔ جانداروں کی بدنی تنظیم جسمانی عضوبندی کی مشین کا پہلا مقصد یہی ہے کہ مادہ اس تنظیم کے حاصل ہونے کے ساتھہ ہی پیدایش کی قوت کا متحمل ہوجائے۔ جان کی اصلی پہچان پیدا کرنے کی قابلیت ہے۔ بغیر کسی قسم کی عضوبندی کے جان ہمارے حواس کی گرفت میں نہیں آسکتی اور جہاں جان ہے وہاں اس پراسرار حیرتناک قوت کی کرنیں ایک خود روشن ستارے کی کرنوں کی طرح پھوٹتی رہتی ہیں۔ عضوبند جسم کے سانس ہی میں اس قوت کا جادو موجود ہوتا ہے اور گرد وپیش کی چیزوں میں اثر کرتا رہتا ہے۔ ابھی عرض کیا گیا ہے کہ تخلیقی قوت کا پہلا مقصد توفیر نوع ہے۔ نر اور ناری کے میل سے اپنی طرح کے جانداروں کو پیدا کرنا۔ یہ ایک معجزہ ہے جو ہر لحظہ دنیا کے ہر آباد گوشہ میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ وہ صنفی میل جس سے دو مست قالب ایک جان ہوجاتے ہیں اس تخلیقی قوت کی بنیادی خصوصیت ہے اور اس طرح میل کھانے کی غرض و غایت کے مدنظر جانداروں کے عضوی نظام میں خاص اعضا برقی آلات سے زیادہ حس والے اور جان جیسی نازک شے کو کیمیائی ترکیب دینے اور اس کی رکھوالی کرنے والے وضع کئے گئے ہیں اور ان اعضا کو ایسی لذت انگیز ارتقا دی گئی ہے کہ اس لذت سے زیادہ کوئی لذت نہیں۔ لیکن اس قوت کو محض توفیر نوع تک ہی محدود نہیں رکھا گیا۔ اس قوت کو اس افراط سے ودیعت کیا گیا ہے کہ توفیر نوع کی اٹل ضرورت کے بعد اس کی بہت کافی مقدار فالتو رہتی ہے اور یہ فالتو مقدار بقائے ذات اور نوع کی ثانوی معاشی سیاسی سماجی اور علمی ضرورتوں

بالفاظ دیگر انسانی تمدن کی ترقی میں صرف ہو سکتی ہے۔ فطرت کے ہر شعبہ میں۔ مادہ کے ہر ذرہ میں۔ ایک نہ ایک قوت کام کرتی ہے۔ فطرت کا کوئی ننھے سے ننھا ذرہ مردہ نہیں۔ اس مادی عالم میں کسی جگہ قوت کا نہ ہونا اسی طرح محال ہے جن معنوں میں خلا کا وجود محال مانا جاتا ہے۔ علم کے ہر شعبے میں یعنی ہر سائنس کا موضوع ایک قوت ہوتی ہے اور اس قوت کے اپنے مخصوص ماحول میں کام کرنے کے طریقوں کا مطالعہ اس سائنس کا منشا ہوتا ہے۔ عضوی عالم میں جہاں عضو بند اجسام صورت پذیر ہوتے ہیں سب میں زبردست قوت مستی ہے۔ اس قوت کا بڑا مقصد یہ ہے کہ عضوی تنظیم کو قایم اور جاری رکھا جاے۔ یہ مقصد دو طرح سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک تو غذا کا فراہم کرنا دوسرے نر اور ناری کے میل سے نسل کو جاری رکھنا۔ یہ دو صورتیں نفسیاتی پہلو سے دو زبردست خواہشیں ہیں۔ ان کو پورا کرنے کی غرض سے جانداروں کی مستی کی قوت ارتقا پاتی ہے۔ یہی مستی غذا اور بر کے حاصل کرنے کی جدوجہد میں تخیل اور تعقل کی کارآمد صورتیں اختیار کرتی ہے اور دماغی ارتقا کا باعث ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بدنی تنظیم کو بھی زیادہ موزوں اور کارآمد بناتی جاتی ہے —

مستی خواہ کوئی سی صورت اختیار کرے اُس کا رجحان تبدیل ہیئت کے بعد بھی یہی ہوتا ہے کہ بے جان میں جان ڈالے اور پیدا کرے۔ لیکن اب تک تو سواے توفیر نوع والی صورت کے اور کسی صورت میں انسان صحیح معنوں میں یعنے گوشت اور پوست والی صورت میں پیدا نہیں کر سکتا۔ انسان نے لوہے کے کل پرزوں اور پانی کی قوت کو تنظیم دیکر ہاتھی اور گھوڑے سے کہیں زیادہ کارآمد تنظیم پیدا کر لی ہے لیکن گھوڑے میں جان ہے اور انجن میں نہیں۔ ایک بت تراش وی نس ڈی میڈی سی کا بے نظیر بت تراشتا ہے اور حسن کا بہترین نمونہ پیدا کرتا ہے۔ اس بت میں زنانہ حسن کا بہترین تصور صورت

پذیر ہے اس میں ایک بھونڈی حبشن کی سی جان کی گرمی نہیں۔ بہ حالات موجودہ جان صرف صنفی میل سے ہی پیدا ہو سکتی ہے اور انسان کی مستی کی یہ کوشش کہ علاوہ صنفی تعلق کے بھی انسان چلتی پھرتی جیتی جاگتی گوشت پوست والی ہستیاں پیدا کرے اور اس کوشش میں متواتر ناکامیابی انسان کو ایک اور زبردست تخلیقی قوت کا پتہ دیتی ہے جو صحیح معنوں میں پیدا کر سکتی ہے۔ علوم اور فنون مذہب اور فلسفہ سائنس اور معرفت کا اصل مقصد یہی ہے کہ اس عظیم الشان قوت کو سمجھا جائے۔ کیوں کہ اگر کہیں جان کے اسرار اور اعلیٰ ترین تخلیقی قوت کا راز سربستہ ہاتھ آسکتا ہے تو وہ ایسی لا محدود قوت والی ذات کے جاننے اور پہچاننے سے۔ مختصر یہ کہ انسان کی جسمانی مشین کی اصلی قوت مستی ہے۔ مستی اُن معنوں میں جو صنفی میل سے واقعی پیدایش کا ذریعہ ہے اور جس کا فالتو حصہ انسانی ترقی اور تمدن کا سبب ہے۔ یہی مستی جب اپنی جملہ ارتقائی صورتوں۔ جذبات کی نیرنگیوں تخیل کی سحر کاریوں تعقل کی سرگرمیوں اور روح کی بجلیوں کے ساتھ اس کائنات کی بے مثال قوت کی جستجو ادراک اور فہم میں منہمک ہو جاتی ہے تو اس رجحان۔ اس طلب ادراک انہماک کو بھی عشق ہی کہتے ہیں جس طرح ایک "جوانی کی راتیں اور مرادوں کے دن" والی محبوبہ کے لئے صنفی میل کا سینہ میں طوفان لئے ہوئے ایک نوجوان کی وارفتگی اور محویت کو عشق کہتے ہیں —

عشق کی اس بحث سے قبل عرض کیا گیا تھا کہ اگر شاعری پر معرفت کا رنگ چڑھانا منظور ہو تو لازمی ہے کہ "کائنات کی روح رواں" کو تخیلی پیکر دیا جائے۔ دوسری بات یہ عرض کی گئی تھی کہ معرفت کے میدان میں 'عشق' ہی صاحب عرفاں کے نزدیک کامیابی کی کنجی ہے۔ ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ موجودات کے خالق کو معشوق قرار

دیا جاے اور عاشقانہ نفسیات کے پردے میں عرفانی جذبات اور واردات کو ظاہر کیا جاے —

اس بات کو محسوس کیا گیا کہ جو لوگ مستی کی اس اعلیٰ ترین ارتقا کے سمجھنے کے اہل نہیں وہ کہیں اس 'عشق' کو اُس مستانہ لگاؤ کی جو ایک مرد کو صنف نازک سے ہوتا ہے تتنی کی آڑ بنا کر طریق معرفت کو رسوا اور بد نام نہ کردیں اور عارفانہ شاعری کو محض لہو و لعب اور تماشبینی کے رجحانات کے اُبھارنے کا ذریعہ قرار نہ دے لیں لہذا اس فرق کو واضح کرنے کے لئے عشق حقیقی اور مجازی کی موشگافیاں پیدا کی گئیں۔ معشوق کو امرد قرار دیا گیا تاکہ صنفی لگاؤ عشق کے تصور سے علیحدہ ہو جاے۔ لیکن اس کا نتیجہ حسب دلخواہ نہیں نکلا۔ معشوق کو امرد قرار دینے سے امرد پرستی کا شرمناک لپکا پیدا ہوا جس کے نتائج نفسی روگ شاستر کا سبق آموز اور عبرت خیز مواد بن گئے ہیں جس کے متعلق اشارہ کرتے ہوے بھی شرم قلم کو پکڑ لیتی ہے جو لوگ دل صافی نہیں رکھتے تھے جن کے قلوب پر عرفانی کیفیتیں نہیں گذری تھیں اُنہوں نے صاحب دل شعرا کی لفظی نقالی شروع کی۔ ایک طرف وہ بلند ترین عشق کا تصور جو خالق کائنات سے متعلق ہے محض زبانی جمع خرچ بن گیا تو دوسری طرف وہ محبت جو ایک تندرست اور صحیح دماغ نوجوان کو ایک دوشیزہ سے ہو سکتی ہے باد ہوائی سی شے بن گئی۔ اصلیت اور عصمت سے اس کو کچھہ سروکار نہ رہا —

یہ ایک واقعہ ہے اور اسے ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ معرفت کی بنیاد یہی ہماری روز مرہ کی زندگی ہی ہو سکتی ہے اور صاحب دل بزرگوں کا یہ ارشاد بالکل بجا تھا کہ جس نے کسی عورت سے دل نہیں لگایا وہ خدا سے بھی لو نہیں لگا سکتا۔ اس لئے کہ ایسے شخص کے انجان کے وہ رجحانات جو عشق کے لئے لازمی ہیں اگر ظاہری حسن اور دلربائی سے ہیجان میں نہیں آسکتے تو

ایسے تیرہ دل آدمی کے لئے اس انتہائی حسن کا جو ذات باری تعالیٰ ہے تصور ہی سرے سے ناممکن ہے - لیکن ساتھہ ہی حسن ظاہر کے احساس کے یہ معنے بھی نہیں کہ جہاں اچھی صورت دیکھی اور مست قلندر کی طرح اللہ ہو کا نعرہ مارا اور فسق و فجور کے لئے اس احساس لطیف کو ایک ٹٹی کی آڑ بنا لیا. حضرت درد نے تنبیہ فرمائی ہے —

ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط دل کی چاہ کا

یہ حال عارفانہ شاعری کے لئے ذات باری تعالیٰ کا معشوق ماننا اور عشق کے جوش و خروش کے ساتھہ معرفت کی کٹھن منزلیں طے کرنا اٹل اصول ہیں. اہل دل شعرا سے یہ توقع ہونی چاہئے کہ وہ اپنے اس عظیم‌الشان عشق کی سرگذشت کو اپنے کلام میں ادا کریں اور یہ 'سرگذشت دل' عاشق و معشوق کی نفسیات کی زبان میں ہونی چاہئے ورنہ محض معرفت کی اصطلاحات کا نظم کر دینا صوفیانہ شاعری نہیں - بالفاظ دیگر محض لفظی نقالی نہ ہو بلکہ جو واردات اپنے دل پر گذری ہو اس کو ادا کیا جاے —

کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلید اچھوں کی
کہ جم جانے سے کچھہ اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا

صورت تقلید میں کب معنی تحقیق ہوں
رنگ گو ہے پر گل تصویر میں کیدھر ہے بو

مشتاق گر ترا کچھہ لکھے تو کیا عجب ہے
ہوں مثل نرگس آنکھیں پیدا ابھی قلم سے

جب ذات باری تعالیٰ کو معشوق قرار دے لیا جائے تو پھر جو کچھ جذبات اس عشق عظیم کے معرض بیان میں آئیں گے اُن کی بنیاد وہ عام جذبات ہوں گے جو ایک مسین بھیگتے نوجوان کے دل میں ایک کلی کی طرح کھلتی دوشیزہ کے لئے موجزن ہو سکتے ہیں۔ ہر مرد اور ہر عورت کا مزاج اور کیرکٹر ماحول اور تربیت جداگانہ ہوتی ہے اور اس لئے ہر ایک کی محبت کی کیفیت اور جذبات میں ایک خاص انفرادی شان ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے سوائے عام رجحان کی مماثلت کے اور باتوں میں یکساں نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک شخص کی محبت میں دیوانہ پن کی کیفیت ہوتی ہے تو ایک کے ہاں سنجیدگی اور غور و فکر کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ لیکن عموماً محبت کے پیدا ہونے کے لئے یہ نفسیاتی اصول ناگذیر ہے کہ ہر نوجوان اپنے دماغ میں صنف نازک کا ایک ایسا تصور قرار دے لیتا ہے جو اس کی نظر میں مجموعۂ کمالات ہوتا ہے۔ یہ تصور ماحول تعلیم و تربیت صحبت اور سوسائٹی کیرکٹر اور مزاج کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب کوئی نازک ہستی اس تصور کے مطابق یا لگ بھگ دو چار ہوتی ہے تو انسان کی ساری ہستی اس طرف کھنچ جاتی ہے۔ آدمی کا دل آجاتا ہے اور اس ہستی کے بغیر وہ اپنی زیست کو بے معنی اور نا مکمل پاتا ہے۔ یہی حال عشق حقیقی کا ہے۔ انسان اس حیات ارضی پر نظر ڈالتا ہے اور اگر اس کا دل حقیقت کا طالب ہے تو وہ اس حواس والی دنیا کے ہر رخ میں کمال کا متلاشی ہو جاتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ انسان اور اس دنیا میں انسان کی کوششوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ ثمر کو بھی ہر پہلو سے ناقص پاتا ہے انسان کی دسترس سے باہر اس کو ایسے کرشمے نظر آتے ہیں جو کمال کا پتہ دیتے ہیں اور کمال بھی ہر پہلو سے نہیں اتنے پہلوؤں سے کہ انسان کا تخیل بھی ان کے تصور سے عاجز ہے۔ ہر انسان پر ایک نہ ایک دفعہ ضرور ایک آدھ ایسا لمحہ گزر جاتا ہے کہ اس کی آنکھوں پر سے تھوڑی سی دیر کے لئے اندھیری سی اُٹھ جاتی ہے

اور بجلی کی کوند کی طرح اس سراپا کمال هستی کی جھلک دکھائی دے جاتی هے اور انسان اس حواس والی دنیا کو دم بھر اور هی رنگوں سے رنگین اور هی کیفیتوں سے رچا هوا دیکھتا هے —

آتش عشق قہر آفت هے

ایک بجلی سی آن پڑتی هے

لیکن جو نفوس اس جھلک کے بعد پھر محض حواس والے عالم کے طلسمات میں پھنسکر اس کیفیت کو دل سے مٹنے نہیں دیتے وهی لوگ معرفت کے جنون میں مبتلا هوجاتے هیں ورنہ عام طور پر لوگ اس جھلک کو تخیل کا دھوکہ قرار دے کر پھر روز مرہ کی حواسی زندگی میں منہمک هوجاتے هیں اور بدستور اعتقاد اور فلسفہ کے لفظی روحانی کھلونوں سے ظاهری اطمینان کے ساتھہ کھیلتے رهتے هیں-آرشی میڈیز کا انکشاف ایک ابدی قانون کا ایسا انکشاف تھا جس کی جھلک هر انسان کو آرشی میڈیز سے پہلے دکھائی دیتی رهی اور خود ارشی میڈایز نے بھی کئی بار اس خاص نفسیاتی لمحہ کے قبل دیکھی هوگی لیکن اس نفسیاتی موقع پر هی اس کے دماغ نے اس طبیعیات کے ایک قانون کی گرفت کی اور ننگ دھڑنگ " پالیا پالیا پالیا " گاتا هوا ناچتا پھرا-جو نفوس کہ اس جھلک کے سمجھنے اور اس کے گرویدہ هو جانے کے اهل هیں اُن پر جب کمال حسن کی بجلی گرے تو ان کا کیا حال هونا چاهئے-اس ابتدائی منزل کی وہ کیفیتیں جو درد پر گذریں یہ هیں —

حیران آئینہ وار هیں هم

کس سے یارب دو چار هیں هم

از بس کہ هیں محو لا تعین

هر جا بے اعتبار هیں هم

———:٥:———

دل کس کی چشم مست کا سرشار ہوگیا
کس کی نظر لگی جو یہ بیمار ہوگیا

——:o:——

میں جانتا نہیں ہوں بیٹھے بٹھائے یارب
یوں آپڑی کہاں سے آفت یہ میری جاں پر

——:o:——

انداز وہ ہی سمجھے میرے دل کی آہ کا
زخمی جو ہو چکا ہو کسی کی نگاہ کا

——:o:——

یگانہ ہے تو آہ بے گانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

——:o:——

ناصح میں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہوچکا

——:o:——

محبت نے ہم کو ثمر جو دیا
سو یہ ہے کہ سب کام سے کھو دیا

——:o:——

بارے یہ داغ عشق ہوا شہریار دل
مدت سے بے چراغ پڑا تھا دیار دل

——:o:——

حسن کی اس پہلی ٹکر کے بعد جب دل و دماغ ذرا سنبھل پاتے ہیں تو یہ بے چینی شروع ہوجاتی ہے کہ پھر اُس حسن کی کان اُس دل ربا سے آمنا سامنا

هو - حسن کی بجلی کے دل پھر مزے لے اور اُس کو خوب جی بھر کر دیکھا جائے —

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہے مرے درد وہ رفتار ہنوز

——: o :——

پڑے جوں سایہ ہم تجھہ بن ادھر اودھر بھٹکتے ہیں
جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں

——: o :——

کچھہ ہے خبر تجھے بھی کہ اُٹھہ اُٹھہ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہوگیا

——: o :——

جو نور نظر تیرا تصور
تھا پیش نظر جدھر گئے ہم
کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے
معلوم نہیں کدھر گئے ہم

تری تیغ ابرو کا افکار میں ہوں
اگر مجھہ سے ملئے کبھو عیب کیا ہے
نہ بد وضع تو ہے نہ بد کار میں ہوں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں جب سے میں اپنی خبر کہیں

محبت کی چنگاری آہستہ آہستہ دل و دماغ میں آگ لگاتی جاتی ھے عاشق کو یہ یقین ھوتا جاتا ھے کہ میری زندگی اس نفس کے بھس میں چنگاری ڈالنے والے کے بغیر زندگی ھی نہیں اور تمام خیالات دور ھوتے جاتے ھیں۔ صرف ایک ھی دھیان چھا جاتا ھے۔یہ دھیان ایک دھن بنتا جاتا ھے اور یہ دھن ایسی لگتی ھے کہ انسان کو کسی بات میں لطف نہیں آتا۔کسی لذت سے لذت۔ کسی حلاوت سے حلاوت نہیں آتی۔اگر لذت ھے تو اس میں کہ اسی کی دھن رھے۔اگر حلاوت ھے تو اسی میں کہ اسی کی تلاش اور جستجو رھے—

اس موقع پر یہ ایک لطیف بات ذھن نشین کرنی لطف سے خالی نہیں۔ اسلامی سماج میں پردہ کا رواج ھے اور مسلمان خواتین ھندوستان میں یورپ والی صنف نازک کی طرح بے پردہ اور بے باک بازار یا محفلوں میں نظر نہیں آتیں۔ایسی سماج کا شاعر جب معشوق حقیقی کی نسبت اپنے دل کی رویداد بیان کرے گا تو فطری طور پر اس کے کلام میں اپنے ھاں کے رسم رواج کی جھلک ھونی چاھئے۔کسی شریف اسلامی خاتون کی زیادہ سے زیادہ جھلک ھی دکھائی دے سکتی ھے اور پردہ کی رسم کی وجہ سے دل پر بجلی گرانے والی پردہ نشین کے محض دیکھہ لینے کی بھی سبیل ھونی قریب قریب نا ممکن ھے—

ذات باری تعالیٰ وہ ذات ھے جس کو معمولی آنکھیں نہیں دیکھہ سکتیں اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ھے چند ھی صاحب نصیب ایسے ھوتے ھیں جو اس کی جھلک کو سمجھیں اور اس کے پیچھے ھو لیں۔ھر تیرہ دل کے سامنے بھی حسن ازلی لہریں مارتا رھتا ھے اور کبھی نہ کبھی ٹھوس سے ٹھوس اور تیرہ سے تیرہ دل پر بھی اس حسن کی چوٹ لگ ھی جاتی ھے لیکن عام طور پر معمولی انسان اس حسن و جمال سے دوچار ھوتے ھیں اور بعد حواس کے طلسمات میں ایسی ستی بھول جاتے ھیں کہ اس جھلک کو تخیل کی نظر فریبی قرار

دیتے ہیں اور دل کو اس طرح اس جانب سے پھیر لیتے ہیں۔ اس پہلو سے معشوق حقیقی بھی گویا پردے ہی میں ہے۔ یہ جو کچھ حواس کے سامنے ہے پردہ ہے اور پردہ کے پیچھے والی ذات کی اصلیت سے اس پردہ پر کی حواسوں کو موہنے والی چلتی پھرتی رنگ برنگی تصویریں انسان کو بے خبر رکھتی ہیں نہیں یہ تصویریں بعض آدمیوں کو اس نتیجہ پر پہونچا دیتی ہیں کہ ان کے پیچھے کوئی اصلیت ہی نہیں۔ پردہ کی رسم سے روشن دل شعرا کو ایک پر لطف مماثلت ہاتھ لگی جو محبوب ازلی کے اوپر بھی من و عن صادق آتی ہے تاہم یہ محض تشبیہ ہے۔ چنانچہ حضرت درد فرماتے ہیں ــــ

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں

ہاں تو ہماری سماج میں پردہ نشین محبوبہ تک رسائی تو بڑی بات ہے دیکھ لینا بھی دشوار ترین امر ہے۔ اسی لئے آپ ہمارے صوفی شعرا کے ہاں کوے جاناں تک پہنچنا محبوبہ کا حجاب اور غضبناکی رسوائی اور جدائی اس کثرت سے پائیں گے کہ گویا عشق میں سوائے ان باتوں کے اور کوئی کٹھن بات نہیں ــــ

هم نے کس رات نالہ سر نہ کیا
پر اسے آہ نے اثر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوے کرم فرما
اس طرت کو کبھی گذر نہ کیا
دیکھنے کو رہے ترستے ہم
نہ کیا رحم تونے پر نہ کیا
تم نے تو ایک دن بھی نہ ادھر گذر کیا
هم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا

کیا مجھہ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تونے آکر تماشا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھہ دن دکھاے
ادھر تونے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

رخ ھمارا بھی اگر پائیسے گا
تو تو منہ اپنا بھی دکھلائیے گا

تو کب تئیں مجھہ ساتھہ مری جان ملے گا
ایسا بھی کبھو ھوگا کہ پھر آن ملے گا
یوں وعدے ترے دل کی تسلی نہیں کرتے
تسکین تبھی ھووے گی تو جس آن ملے گا

تو بھی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جی کے کیا کرے گا
اسی آنکھوں اسے میں دیکھوں
ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

کیا ھوا مر گئے آرام ھے دشوار ھنوز
جی میں تڑپے ھے پڑی حسرت دیدار ھنوز

یہاں ھماری شاعری کی ایک اور خرابی کی جڑ پر غور کرنا فائدہ سے خالی نہ ھوگا۔ھماری سماج میں ایک طرف تو شریف پردہ نشین خواتین ھیں

کہ ان کے دامن کو ہوا بھی لگنی محال ہے تو دوسری طرف طوائف کا طبقہ بھی موجود رہا ہے۔ صوفی شعرا نے اس سماجی واقعہ سے بھی اپنی شاعری میں کام لیا ہے۔ بے وفائی یاروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ۔ کسی پر مہربانی۔ کسی پر قہرمانی۔ کٹر دلی۔ خود غرضی۔ ہرجائی پن۔ نمود اور غرور۔ معاملہ کی باتیں۔ ضلع جگت پھکڑ آواز سے۔ مختصر یہ کہ دلی کے چاوڑی بازار کا نقشہ بھی صوفیانہ شاعری کے لئے مواد فراہم کر سکتا تھا کیونکہ معشوق حقیقی ایک معنے کر پردہ نشین ہے تو دوسرے پہلو سے اسی ذات میں ایسی صفات بھی موجود ہیں جن کی مماثلت طوائف کے طبقہ میں مل سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عشق کی کٹھن راہ میں جب عاشق بعض اوقات اُکتا جاتا ہے اور اس وقت پیار سے بگڑ کر باری تعالیٰ کی صفات کا طوائف کے پہلو سے مطالعہ کرتا ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ اس نے دل ہٹا لیا۔ نہیں۔ دل بیچارہ تو جا چکا اور ایسا گیا کہ اب قیامت کیا قیامت کے بعد بھی اپنا نہیں ہو سکتا۔ عاشق بیچارہ عشق کے لوھے کے چنے چباتے چباتے جی ھار جاتا ہے اور اپنے دل کا تھوڑا بہت بخار نکالنے کے لئے اسی اپنے 'جان جہان' کو اس پہلو سے بھی مطالعہ کرتا ہے۔ علاوہ اس کے 'عشق الٰہی' ایک نہایت وسیع اور عمیق مطالعہ ہے اور اس مطالعہ یعنے بالفاظ دیگر عشق کے دوران میں کوئی پہلو نہیں چھوٹنا چاھئے اور طوائف بھی خدا کی خدائی سے خارج نہیں۔ لہذا باری تعالیٰ کے متعلق اھل دل شعرا نے اس تماشبینی کے رخ سے جو جذبات ادا کئے نہ تو اس میں کوئی مذموم رنگ تھا اور نہ اس قسم کے اظہار جذبات سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ عاشق کا دل پھٹ گیا۔ یہ جو کچھ تھا محض پیار میں خالص عشق کے تقاضے سے اور اس کا اصل منشا علم تھا۔۔

بدقسمتی سے ایسے شعرا نے جو رموز عشق سے کورے تھے اس شوخ پہلو کو زیادہ چٹپٹا پایا چونکہ خود معرفت سے بے بہرہ اور دل کے اندھے تھے نتیجہ

یہ ہوا کہ صوفیانہ شاعری کے اس رخ کی بھی نقالی کی اور دل کھول کر کی یہاں تک کہ اُردو شاعری کا بہت بڑا حصہ خیالات اور زبان دونوں لحاظ سے چکلوں کا ناپاک حسن سے عاری مرقع بن گیا۔ شاعری کا اس قدر ھدڑا کھویا گیا کہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ اس قسم کے شعرا کے دیوانوں کو کوئی بھلا مانس اپنی بہن یا بیوی کے ھاتھوں میں دینا پسند نہیں کر سکتا۔ درد عارف تھے۔ ترجمان دل تھے۔ انھوں نے بھی سماجی رسم و رواج کے اس رخ سے یہی کام لیا ھے۔ لیکن اُسی طرح جس طرح ایک زندہ دل شاعر کو کام لینا چاھئے۔ اُن کا دیوان بے تکلف شریف بی بیوں کے ھاتھوں میں دیا جا سکتا ھے چنانچہ اس ضمن میں یہ لطیفہ لطف سے خالی نہیں۔ نظامی پریس بدایوں کے مالک اور مہتمم صاحب اپنے مطبع کی دیوان درد کے ایڈیشن کی گذارش میں تحریر فرماتے ھیں —

”اخلاقی نکات سے ان کا کلام مالا مال ھے۔ دیوان........ پند و نصائح کے بیش بہا جواھر ریزوں کا گنجینہ ھے........“ —

یہ بحیثیت نقاد کے نہیں لکھا گیا ھے کیونکہ کسی شاعر کے کلام میں پند و نصائح کا ھونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس میں شاعرانہ خوبی بھی ھے لیکن یہاں محض اس امر پر زور دینا مقصود ھے کہ درد کا کلام اس عامیانہ سوفیانہ پن اور چکلے کے رنگ سے اس قدر پاک ھے کہ اس زمانہ کے بدلے ھوے مذاق کے لحاظ سے ان کے کلام کی یہ خوبی تجارتی حیثیت سے بھی قیمتی ھے۔ اس رنگ کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ھیں —

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا

میں چاھوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ھو سکا

سو بار دیکھیں میں نے تری بے وفائیاں
تس پر بھی نت غرور ہے دل میں نباہ کا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

چھپے ہرگز نہ مثل بو وہ پردوں کے چھپانے سے
مزہ پڑتا ہے جس گل پیرہن کو بے حجابی کا

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا
اپنا بھی تو جی نکل گیا تھا
بارے پھر مہربان ہوا ہے
بے طرح سے کچھ بچل گیا تھا
آنسو میرے جو انہوں نے پونچھے
کل دیکھ رقیب جل گیا تھا

عہد شکن ہو خواہ وہ دل شکنی کیا کرے
اس کی طرف سے ہو سو ہو آپ نباہ کیجئے

مدت سے وہ تپاک تو موقوف ہو گئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

جس دل پہ بیوفائی معشوق کے سبب
یہ کچھہ گذر چکا ہو وہ پھر چاہ کیا کرے

بیزار اگر مجھہ سے ہو مختار ہو بہتر
دل جس سے ملے اپنا ملا کیجئیے اس سے
اوروں سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
ایدھر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ
جو اس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہے
کبھی تو ہمارا بھی وہ آشنا تھا

جب محبت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو عاشق کی سب میں بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ معشوق کے دل میں گھر کرے۔کسی کے دل میں گھر کرنے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ عاشق اپنے آپ کو اس قابل بنائے کہ طرف ثانی کے من کو موہ لے۔خواہ محبت ہو خواہ عشق الہی۔قابلیت کا معیار صرف ایک ہی ہے۔دل دردمند۔یہاں دل وسیع ترین معنوں میں ہے اور روح کے ہم معنے۔اب سوال یہ ہے کہ 'درد' سے کیا مراد ہے اور دل کس طرح 'دردمند' بن سکتا ہے۔

'درد' محنت کی انتہائی ارتقا ہے۔کوئی چیز بغیر محنت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔اس دنیا میں وہی چیز زیادہ اعلی۔زیادہ گراں قدر ہے جو زیادہ محنت کے بعد ہی ہاتھہ آسکے۔انسان کی تعلیم۔انسان کی زندگی ایک مسلسل محنت کی تربیت ہے اور اس تعلیم اس زندگی میں ہر آگے کا قدم زیادہ محنت طلب ہوتا جاتا ہے۔محنت کے دو رخ ہیں۔ایک تو یہ کہ ایک آدمی خود ایک شے ایک کام کے پیچھے اپنی جسمانی اور دماغی قوت وقف کر دے اور اس

مقصد کے حصول، اس کام کے سر انجام میں کسی قسم کے کسالے سے منہ نہ موڑے۔ دوسرا رخ محنت کا انسان کے بس کے باہر ھے۔ اسے اس زندگی کے دوران میں اپنی خود اختیار کردہ سرگرمیوں کے علاوہ ایسی محنت بھی برداشت کرنی پڑتی ھے جو خارجی حالات اور قوتیں اس پر عائد کرتی ھیں۔ یہ محنت خود خواندہ نہیں ھوتی اور اس قسم کی محنت کو جو خارجی اسباب سے انسان پر عائد ھوتی ھے مصیبت کہا جاتا ھے۔ ایک آدھ مثال لیجئے۔ ایک سائنس داں ایک مسئلہ کے حل میں منہمک ھے۔ کتابوں کا مطالعہ۔ ایک نہیں بیسوں تجربے کرنا اور سب میں بڑی بات یہ کہ نئی بات کا سونچنا یہ سب محنت اور سخت محنت کی باتیں ھیں جو وہ اس مسئلہ کی دھن میں مردانہ وار خود اختیار کرتا ھے۔ اسی انہماک فطرت سے جد و جہد اور نفسی کد و کاوش کے دوران میں اس کی صحت بگڑ جاتی ھے۔ اس کو کسی عزیز قریب کے موت کا صدمہ اُٹھانا پڑتا ھے یا کسی بینک کے دیوالیہ ھو جانے سے اس کی ثروت، اس کی پونجی ھاتھ سے نکل جاتی ھے۔ ان آخرالذکر باتوں کو جو اس کے بس کی نہیں مصیبتیں کہا جائے گا لیکن ان کا اور پہلی قسم کی محنتوں دونوں کا نتیجہ ایک ھے۔ دکھ سہنا، درد برداشت کرنا، اس طرح کے دکھ درد کا اُٹھانا روح کا مانجنا ھے۔ اس سے ھی مرد مردانہ اور آدمی انسان بنتا ھے۔ ھر کام اچھا یا برا محنت کا طالب ھے۔ محض زندگی۔ سانس کا لینا محنت ھے۔ محنت کا صلہ روح کی ارتقا اور ان صورتوں میں کہ محنت کامیاب رھے اس ارتقا کے ساتھ حلاوت اور مسرت بھی شامل ھو جاتی ھے —

محبت کی پہلی کڑی محنت یہ ھے کہ عاشق کا لگاؤ سچائی پر مبنی ھو یعنے بغیر معشوق کے اس کی زندگی نا ممکن ھو جائے۔ محبت میں نا کامی موت کا حکم ھو جائے۔ اس طلب صادق کے پیدا ھوتے ھی عشق صحیح معنوں میں انسان کے دل میں جلوہ گر ھوتا ھے اور اس کی کل ھستی میں ایک نئی روح

سرایت کر جاتی ہے اور عاشق کا رواں رواں محسوس کرتا ہے کہ معشوق بن زندگی ہیچ ہے-جب تک یہ بات نہ پیدا ہو عاشق عاشق نہیں ہو سکتا—

گرچہ ہم مردہ دل اے جان جہاں جیتے ہیں
تجھ بن اے وائے جو سمجھیں تو کہاں جیتے ہیں
زندگی جس سے عبارت ہے سو وہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کے لئے کہئے کہ ہاں جیتے ہیں

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جاوے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

محبت صرف عورت سے ہی نہیں ہوتی-انسان جس بات پر اپنا دل لگاوے وہی عشق ہے-زندگی اصلی معنوں میں وہی ہے کہ انسان کے سامنے ایک واضح مقصد ہو اور انسان کی تمام قوت، جسمانی اور روحانی اس مقصد کے لئے آخر دم تک وقف رہے-مثلاً ایک شخص کے دل میں موجد بننے کا ولولہ ہے اور علوم طبیعی کے کسی ایک شعبہ سے اس کو دل بستگی ہے-رفتہ رفتہ یہ دل بستگی اس کی زندگی کا مرکز بن جاتی ہے یعنے عشق کی صورت اختیار کرتی ہے-اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنے ہوں گے کہ یہ شخص اپنے دل کو سونپے اور مطالعہ مشاہدہ اور تجربہ کی کٹھن منزلوں میں درد کی تربیت دیتا ہے، مستقل مزاجی، تسلسل فکر، صحت استدلال، بے لاگ مشاہدہ، جچا تلا تجربہ، ان باتوں کی صلاحیت اپنے آپ میں پیدا کرتا ہے اور اس طرح اپنی اُن تمام ذہنی اور کیریکٹر کی خوبیوں کے ساتھ اپنی زندگی اپنی اس محبوبہ شعبہ طبیعیات کی نذر کردیتا ہے—

عشق کے لئے پہلی اوّل شے طلب صادق ہے-یہ طلب صادق اپنے آپ نہیں پیدا ہوتی-جیسا کہ کہیں پہلے عرض کیا گیا ہے یہ طلب معشوق حقیقی کی جھلک

دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے-اس جھلک کے بعد اگر انسان پھر محض حواس فریب عالم کے دھوکے میں نہیں پھنسا تو اب اس کا دل اس جھلک والی ہستی کے پیچھے دیوانہ ہوجاتا ہے—

جب مرد کو کسی عورت سے الفت ہوتی ہے تو یہی ہوتا ہے کہ عاشق کے دل میں اس عورت کے سوا اور کسی کی تصویر نہیں رہتی- روز بروز یہ تصویر ہر پہلو سے واضح اور راسخ ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ کسی اور تصویر کی موہوم سی لکیر بھی باقی نہیں رہتی-اس لئے کہ ہر وقت کے تصور اور انہماک سے عاشق کا دل زیادہ صاحب احساس ہوتا جاتا ہے اور معشوق کے حسن کو ہر پہلو سے جذب کرتا جاتا ہے- لیکن محض دل پر تصویر کا کھنچ جانا کافی نہیں-اپنی محبوبہ کو حاصل کرنے کے لئے عاشق کو اپنے ماحول کے مطابق اپنے دل میں اعلیٰ انسانی صفات کو اُبھارنا اور اُن کو اُبھار کر ان کے مطابق عمل پیرا ہونا پڑتا ہے اور اس طرح عاشق کا دل منجتا اور اس کا کیرکیٹر بنتا جاتا ہے اور عشق سے قبل والی حالت سے اعلیٰ اور برتر ہوتا جاتا ہے اور یہ ساری کڑیاں اس لئے جھیلی جاتی ہیں کہ یہ تربیت یافتہ درد مند دل یعنی اپنا اعلیٰ کیرکٹر اپنی بہتر زندگی اپنی من موہن ہستی کے لئے وقف کردی جاے—

عشق الٰہی میں یہ درد کی تربیت انتہائی ہوجاتی ہے-جو دل اس کائنات کی برترین ہستی سے لو لگاے اس کا دل اس قدر زندہ صاحب احساس ہونا چاہئیے کہ اس انتہائی حسن کی جگ پھیلی کرنوں کو محسوس کرے خواہ یہ کرنیں حواس کے ذریعہ دل کو متاثر کریں خواہ اُن غیر مرئی صورتوں میں دل سے ٹکرائیں جہاں عام حواس کام نہیں دیتے اور الفاظ جواب دے دیتے ہیں-اس زبردست تربیت کو انسان کا دل (روح) ہی برداشت کرسکتا ہے اور مخلوقات میں انسان کے لئے یہی طرۂ امتیاز ہے کہ اس کا دل اس عظیم الشان

درد کی تربیت کو حاصل کرکے خالق کائنات کے لا زوال نور سے مالا مال ہوسکتا ہے—

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے اپنا گداز کرنا

صوفیانہ شاعری میں اس زبردست عشق کی زبردست درد کی تربیت پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ عاشق کی جہاں کو جلانے والی آہیں، زمین کے پہاڑوں اور آسمان کے ستاروں کو ہلا دینے والے نالے، ہجر کا وہ کرب کہ جس سے پتھر کا کلیجہ پگھل جائے۔ یاد جاناں میں وہ تڑپ کی بجلی بھی شرمائے، یہ تمام باتیں اُس دل کی تربیت پر زور دیتی ہیں جس کے بغیر عشق الٰہی ناممکن ہے—

دل عاشق کی بے قراری کو
وہ ہی سمجھے ہے جو کہ محرم ہے
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

عاشق بیدل ترا یاں تک تو جی سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا
اشک نے میرے ملائے کتنے ہی دریا کے پاٹ
دامن صحرا میں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تھا
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا
پر اسے آہ نے اثر نہ کیا

پرورش غم کی ترے یاں تئیں تو کی دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینہ پہ کہ ناسور نہ تھا

رکھتا ہوں ایسے طالع بیدار میں کہ رات
ہم سایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

چاک جگر تو سینکڑوں خاطر میں کچھ نہ تھے
دل کی تپش کے آگے میں ناچار ہو گیا

کھٹکی کبھو دلوں میں نہ تیری صدا جرس
نالہ مرا تو چھوتتے ہی پار ہو گیا
بیٹھا تھا خضر آکے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہو گیا

روتا ہے گرم جوشی جی یاد کرکے درد
آتش نے مجھہ کو شمع کے مانند تر کیا

سو بار سوز عشق نے دی آگ پھر ہنوز
دل وہ کباب تھا کہ جگر خام رہ گیا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

اذیت مصیبت ملامت بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کرتا رہا میں دیدہ گریاں کی احتیاط
پر ہو سکی نہ اشک کے طوفان کی احتیاط
خار مژہ پڑے ہیں مرے خاک میں ملے
اے دشت اپنے کیجیو داماں کی احتیاط

سب خون دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے درد بسکہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں
بسان کاغذ آتش زدہ مرے گلرو
ترے جلے بھنے اور ہی بہار رکھتے ہیں

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں
ہرشام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں
اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

مجلس میں بار ہوے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آرزدہ خاطر ہوں تو رنجیدہ
اے شور قیامت رہ اودھر ہی میں کہتا ہوں
چونکے ہے ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

بد خواہ سبھی عالم گو ہووے تو ہو لیکن
یا رب نہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

نالہ و آہ کیجئے خون جگر ہی پیجئے
عہد شباب کہتے ہیں موسم نا و نوش ہے
آتش گل جنوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں
سینہ ہمیشہ آگ ہے دل میں سدا ہی جوش ہے

پگھلا دل اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہر چند روتے روتے میں نالے بہا دئے
سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام
اے درد کچھ بہا دئے اور کچھ جلا دئے

ایسے حضرات نے جو اہل دل نہ تھے اس کی بھی نقالی شروع کی۔ چونکہ ان لوگوں نے اس درد کی تربیت کے میدان میں قدم نہ رکھا تھا ان کے ہاں یہ نالے اس قدر بے تاثیر اور محض لفظ ہی لفظ رہ گئے کہ ان پر ظرافت کا تازیانہ اُڑنے لگا اور تازیانہ بھی نفیس اور شایستہ نہیں بلکہ تمسخر کا۔ گنوارو بیلوں والا کوڑا۔ اُردو شعرا کے بے گنتی دیوان اس قسم کے طومار سے بھرے پڑے ہیں —

ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا
چشم بیدار تو ہے پر دل بیدار نہیں

نالہ زار درد کا ہر اک
چھوتتے دل کے پار گذرے ہے

غمناکی بیہودہ رونے کو ڈبو دیتی ہے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں موتی ہے

اس 'درد کی تربیت' کو جارج میرڈتھ نے اپنی کتاب The Shaving of Shagpat 'شیگ پٹ کی سر منڈائی' میں انسان کی ترقی کے لئے ضروری دکھایا ہے-یہ کتاب مشرقی پیرایہ میں لکھی گئی ہے اور انگریزی ادب کے دور حاضر کا ایک حیرت ناک کارنامہ ہے اگرچہ اس کتاب کو تصوف سے کوئی تعلق نہیں لیکن میرڈتھ نے یہ دکھایا ہے کہ اصلی ترقی بغیر رنج و محن کے نصیب نہیں ہو سکتی' بغیر تازیانوں کے آدمی انسان نہیں بن سکتا اور فطرت کی قوتوں کو قابو میں نہیں لا سکتا—

تصوف کا تمامتر دار مدار اسی پر ہے کہ محنت اور مصایب کی چوتیں دل پر ایسی لگائی جائیں کہ دل پکا پھوڑا 'انتہائی صاحب احساس بن جاے- درد کی آگ میں دل کو ڈالنے سے ہی انسان کے دل پر کا زنگ صاف ہوتا ہے یعنے بے حسی دور ہوتی ہے-حضرت درد نے ذیل کی غزل میں جو دراصل ایک نظم ہے اس تربیت کو شاعرانہ حیثیت سے اسی طرح ادا کیا ہے کہ اُردو ادب میں اس کا جواب تلاش سے بھی نہیں ملتا—

سرگذشت پروانہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا! بال و پر پروانہ

کیوں اسے آتش سوزاں میں لئے جاتی ہے
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظر پروانہ؟
شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثر پروانہ
ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اس نے
راہرو رشک کی جا ہے سفر پروانہ
شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے درد میں کس سے خبر پروانہ؟
گر ترا حسن برشتہ نظر آجاے اسے
نت رہے آگ میں سوز جگر پروانہ

حیات انسانی یا یوں کہئے روح کے بہاؤ کے دو رخ ہیں-ایک رخ تو وہ ہے جس کے حواس دروازے ہیں-قدرت کے رنگ روپ، کائنات کو ڈھالنے والی قوتوں کے کرشمے، عنصروں کی نیرنگیاں، ستاروں کی بھول بھلیاں اور اس سے قدرت کے ماحول میں انسان اور انسانی سماج کی ارتقا، انسانی نفس کی قوتوں کے عجیب عجیب کھیل، یہ انسان کی درد کی تربیت کا ایک لا متناہی میدان ہماری حیات کا ایک رخ ہے-اس رخ سے بھی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے-حواس تعقل کی بنیاد ہیں اور تعقل سائنس کی روح رواں ہے لیکن سائنس کا پاؤں چوبیں اور بو جہل ہے، اگرچہ سائنس کی ارتقا انسانی حیات کے حواس والے رخ کی ارتقا کے لئے ناگذیر ہے تاہم سائنس کی ترقی نہایت دیر طلب ہے-خدا ہی جانے اس دن کے لئے کتنی صدیاں، نہیں کتنے قرن درکار ہیں جس دن طبیعی اور سماجی علوم اس قدر ترقی پا جائیں کہ ان کا عطر ایک علم معرفت کی صورت اختیار کر لے-چنانچہ ان حالات کے مد نظر اس رخ سے معرفت کے

حاصل کرنے کے متعلق درد نے اپنے زمانہ میں جو کچھ کہا وہ اب تک درست ہے —

جس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

جس زمانہ میں درد نے اُردو میں معرفت کے بیج بوئے اس وقت تک طبیعی اور سماجی علوم موجودہ رتبہ پر بھی نہیں پہونچ سکے تھے۔خود انگلستان میں ورڈس ورتھ جیسا قدرت کے مندر میں ذات باری تعالیٰ کا پجاری یا سماج کے الجھاوون میں، براوننگ جیسا حکیم مطلق کا متلاشی معرض ظہور میں نہیں آیا تھا۔لہذا درد کی تربیت اس رخ سے درد کے کلام میں نہیں ملے گی۔کہیں کہیں جھلک ضرور ہے مگر برائے نام۔البتہ درد جیسے روشن دل سے اس پہلو کی اہمیت پوشیدہ نہیں تھی۔ فرماتے ہیں —

سمجھنا فہم گر کچھ ہے طبیعی سے الہی کو
شہادت غیب کی چاہو تو حاضر ہے گواہی کو

اس حواس والے رخ کے علاوہ حیات انسانی کا ایک اور رخ بھی ہے۔وہ رخ جسے خاص طور پر روح کہا جاتا ہے۔اہل دل اصحاب کا بیان ہے کہ اس رخ کے مطالعہ اور اس رخ کو درد کی تربیت کے ذریعہ جگانے اُبھارنے اور مانجنے سے معرفت کی قریب تر راہیں کُھل جاتی ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ انسان حواس والے رخ کی نظر فریب۔دلکش بھول بھلیاں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ اس کی ہستی کا یہ پہلو بیدار نہیں ہونے پاتا۔اس رخ کو 'چشم باطن' صحیح معنوں میں 'روح' کہا جاتا ہے۔صوفیاے کرام دل سے مراد انسانی ہستی کے اسی رخ سے لیتے ہیں اور حواس والے رخ کو 'خودی' سے تعبیر کرتے ہیں۔معرفت جسے کہتے ہیں وہ اسی 'چشم باطن' کے کھولنے اور مانجنے کا زبردست کارنامہ ہے۔حواس والے رخ میں اور اس رخ میں امتیاز کرنا یا جیسا کہ صوفیانہ شاعری میں کہا جاتا ہے خودی کو مٹانا اور بھلانا وہ کڑی ریاضت ہے جو ہر طالب

صادق کو کرنی پڑتی ہے—

سو رنگ سے ہیں جلوہ نما گو بتان خلق
اپنا ترے سوا کوئی دل خواہ ہی نہیں

یہاں ایک غلط فہمی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔حواس والے رخ۔خودی۔کو فراموش کرنے یا مٹا دینے کے لئے یہ لازمی نہیں ہے کہ آدمی تارک دنیا ہو جاے۔جب صوفیانہ خیالات نے شاعری کے ذریعہ رواج پایا اور بد قسمتی سے ہر کس و ناکس معرفت کا دم بھرنے لگا تو تیرہ دل اور تنگ نظر لوگوں نے اس مسئلہ کی بھی بھد اُڑادی اور روز مرہ کی دنیا سے بھاگنا گرد و پیش کی ذمہ داریوں سے جی چرانا 'خودی' سے نجات پانے کے لئے ضروری بیان کیا جانے لگا۔لیکن جو واقعی اہل دل بزرگ تھے اُن کے کلام میں اس قسم کی تعلیم آپ کو ہر گز نہیں ملے گی۔جو دل کہ روشن ہے اس کے لئے یہ خارجی دنیا جو حواس سے محسوس کی جاتی ہے خالق مطلق کی ہی بنائی ہوئی، اسی کی قدرت کاملہ اور کبریائی کا ظہور ہے—

دونوں جہاں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا
ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

———

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے
دونوں عالم کا ایک عالم ہے

———

اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

اس آخری شعر میں ہستی خراب سے مراد ناپائدار مایا کی سی ہستی یعنی حواس والے رخ سے ہے۔'ہمیں' میں 'ہم' کے معنے اُس 'الہی چنگاری' روح کے ہیں جو پائدار اور "کائنات کی روح رواں" کی ایک انمٹ کرن ہے جس کے متعلق یہ پوچھنا پڑتا ہے —

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں؟

حضرت درد نے اس مسئلہ کو اور واضح کیا ہے۔روز مرہ کی زندگی کے جھمیلوں اور کھکھیڑ کا برداشت کرنا جب تک جان میں جان ہے ضروری بتایا گیا ہے۔ان مصائب اور محن کو بھی معرفت میں ترقی کا ذریعہ گردانا گیا ہے —

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا تو کیا بلا
ہم کو سپہر مت ڈرا نیش بھی یاں تو نوش ہے
محنت و رنج و غم سے یاں درد نہ جی چھپائیے
بار سبھی اُٹھائیے جب تئیں سر ہے دوش ہے

اور یہ وہ مردانہ تعلیم اور صداقت ہے جو ہمیشہ تازی کی تازی رہے گی اور ہندوستان ہو یا انگلستان ہر جگہ حوصلہ مند دماغوں میں تیر کی طرح جا بیٹھے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جد و جہد حیات میں کیرکٹر کی تعمیر اسی طرح ہوتی ہے کہ واقعات نا موافق کے تھپیڑے مردانہ وار کھائے جائیں۔زمانہ کا ہر نیش تقویت کی پچکاری ہے۔ہر ناسازگار حادثہ قوت کا سرچشمہ ہے۔اس مردانہ وار مقابلہ سے ہی انسان کی زندگی بہتر اور برتر ہوتی ہے۔یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کا مطمح نظر معرفت ہی ہو لیکن یہ ناگذیر ہے کہ جو باہمت

دل معرفت کی اعلیٰ برکتیں حاصل کرنی چاہتے ہیں وہ اپنی زندگی کو 'بار سبھی' اٹھا کر ایک مردانہ زندگی بنائیں—

ان اُمور کی وضاحت کے بعد حضرت درد کے اس امر پر زور دینے سے کہ معرفت کی منزلیں طے کرنے کے لئے پہلی شرط اور نہایت کڑی تربیت یہی ہے کہ حواس والے رخ-خردی-سے دل کو ہٹایا جائے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک 'طالب حق' کا دل 'چشم ظاہر' حواس کا کنوندا ہے حقیقت کا پتہ چلنا محال ہے-چشم ظاہر کا بند ہونا یعنے حواسی طلسمات کے اُلجھیڑے سے اپنے آپ کو نکالنا معرفت کی پہلی اور بڑی کٹھن سیڑھی ہے—

دور نہیں ہوا ہمیں رنج شعور ساقیا
اک دو جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش سے
خلوت دل نے کر دیا اپنے حواس میں خلل
حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے
دل کو سیاہ مست کر کچھ بھی تجھے جو ہوش ہے

....

خیر تجھے جو چاہئے بد رقہ جنوں نہ چھوڑ
ہم نے جہاں کی سیر کی رہزن خلق ہوش ہے

آگاہ اس جہان سے نہیں غیر بے خودان
جاگا وہی ادھر سے جو موند آنکھ سو گیا
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے
مست شراب عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر
اے درد چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

اس حواس والے روح کے رخ کو بہلانے کی ضرورت نے شعرائے اہل دل کو شراب کی تشبیہہ سے کام لینے کا موقع دیا۔ شراب کی تاثیر یہ ہے کہ انسان گردوپیش اور عام سماجی بندشوں کو فراموش کردیتا ہے اور اس کے انجان کے وہ اصلی جذبات اور رجحانات جو نشہ سے قبل قابو میں رہتے ہیں اور سماج اور ماحول کے شکنجہ میں کسے رہتے ہیں کھل کھیلتے ہیں۔ اگر انسان پر اسی طرح کوئی کیف ایسا طاری ہو کہ اس کے حواس میں خلل پڑجائے یعنے حواس والی "قید خانہ کی دیواریں" جو اس روح کو چو طرف سے دبائے رہتی ہیں اس کیف میں پگھل سی جائیں تو ظاہر ہے کہ روح کا دوسرا رخ اپنی حقیقت کا خزانہ کھول دے گا۔ یہ کیف یہ نشہ 'حسن بے مثال' کے احساس اور اس حسن بے مثال والی ذات کے عشق سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا شعرائے متصوفین نے عشق کی اس تاثیر اور کیفیت کو شراب کی تشبیہہ اور استعارے میں ادا کیا ہے۔ بد قسمتی سے غیر اہل دل شعرانے اس کی بھی نقالی کی۔ چونکہ صاحب عرفان نہ تھے ان کے شراب والے اشعار میں عرفانی لذت باقی نہ رہی اور چونکہ ان میں سے بعض نے کبھی شراب کا لطف بھی نہیں اُڑایا تھا لہذا اُن کے اس قسم کے کلام میں شراب کی اصلی کیفیت بھی پیدا نہیں ہوئی۔ محض لفاظی اور منہ چڑانا ہوگیا۔

حضرت درد کا اس رنگ کا کلام ملاحظہ ہو۔

شیشا

نشہ کیا جانے وہ کہنے کو سے آشام ہے شیشا
جہاں میں دختر رز سے عبث بدنام ہے شیشا
صراحی و کدوتک خلق اے ساقی بھرے لے ہے
مگر اپنا ہی خالی جون دل ناکام ہے شیشا

نگاہ مست ان آنکھوں کی تک ایدھر بھی ہو ساقی
کہ ہم کم حوصلہ کے حق میں ہر اک جام ہے شیشا
نہ ہو گُل گُل شگفتہ کیوں کہ دل اے درد مستوں کا
مئے گلگوں کی دولت سر بسر گلفام ہے شیشا
شب و روز اس طرح گذرے پے اپنی تو نہ پوچھو کچھہ
صراحی صبح کو گر ہاتھہ ہے تو شام ہے شیشا
بھرا مے سے نہیں یہ نور سے معمور ہے شیشا
تجلی پر نظر کر اس کی کوہ طور ہے شیشا
شتابی مے کدہ میں آکہیں تجھہ بن کہ اے ساقی
پڑا ہے جام بے کیفیت و مخمور ہے شیشا
بچایا محتسب کے ہاتھہ سے اے درد میں لیکن
مرے دل کی طرح میری بغل میں چور ہے شیشا

ہے تنک ظرفوں کو بے جا مے کشی
جام مے کب ہوسکے جام حباب
چل نہ جاویں ہیں جو صاحب حوصلہ
پائے خم لغزش میں کب لاوے شراب
مے کشاں کرنے لگے محنت کشی
درد ہوتا ہے دل یاران کباب

آگے جو اشعار پیش کئے جاتے ہیں ان میں تشبیہ کا پردہ مہین ہوتے ہوتے محض ایک ہلکا سا غبار رہ گیا ہے اور الفاظ 'شراب عشق' کی کیفیت میں واضح طور پر رنگے ہوے ہیں۔اس شعر کا مستانہ بے ساختہ لہجہ ملاحظہ ہو۔

جائیے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

اور اس قسم کی مستی والی شراب کس طرح بلبلا کر مانگی ہے ــــ

دے وہ شراب ساقی کہ تا روز رستخیز
جس کے نشہ کا کام نہ پہونچے خمار تک

ذیل کے اشعار میں 'شراب عشق' کی کیفیت کی وہ تصویر کھینچی ہے کہ ایک اہل دل شاعر ہی اس طرح کھینچ سکتا تھا ــــ

کھو نہ سکے کبھو خمار میرے نشہ کی آبرو
دیدہ آئینہ کی طرح تجھہ سے بھرا ایاغ ہے

کس کی یہ چشم مست نے بزم کو یوں چھکا دیا
مثل حباب سر نگوں شرم سے ہر ایاغ ہے

تیری نگاہ مست نے جب سے نہ کی ہے مے کشی
خون سے اپنے مثل گل ہم نے بھرا ایاغ ہے

چونکہ درد کا 'ایاغ دل' اس شراب سے بھرا ہوا تھا جوش میں آکر فرماتے ہیں ــ

بسان دانہ انگور مے پرستوں نے
لیا ہے فیض مرے دل کے آب گینے سے

حواس والے رخ کے پردوں کو چیر کر جب انسان کی روح کی کرنیں پھوٹنے لگتی ہیں یا دوسرے الفاظ میں یوں کہنا زیادہ حقیقت پر مبنی ہوگا کہ نفس انسان اپنے سطحی حواسی عالم کو اپنا عارضی پہلو سمجھنے لگتا ہے تو اب معرفت یعنے علم حقیقی کی وہ منزل شروع ہوتی ہے جس میں انسان اپنے آپ کو ــ اس چیز کو جسے وہ 'میں' کہتا ہے ــ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اس کے لئے بڑی

سونچ بچار - بڑے زبردست مصائب کے تجربے کی ضرورت پڑتی ہے - 'میں' ایک ایسی نازک شے ہے کہ اس کا مطالعہ' بے خودی' - حواس والے رخ کی مایا سے نکلنے کے بعد بھی نہایت مشکل کام ہے - پل صراط پر سے گذرنا ہے - اس عمیق غور و خوض کے دوران میں اس قدر مغالطے اور دھوکے راہ میں حائل ہوتے ہیں کہ نفس ایک بھول بھلیاں میں پھنس سا جاتا ہے - قدم قدم پر یہ سمجھتا ہے کہ اب راستہ ہاتھہ آیا اور پھر وہی اُلجھن کی اُلجھن - سخت سے سخت کوشش کے بعد وہی ہیر پھیر - اس زبردست اُلجھن اور ہیر پھیر کو محسوس کرنے کے لئے تھوڑی سی دیر آدمی تنہائی میں بیٹھہ کر اپنے آپ سے یہ سوال کرے کہ "میں کیا ہوں؟" اور اتنی بات ہر شخص کر سکتا ہے - یہ ضروری نہیں کہ وہ معرفت کا باقاعدہ طالب ہی ہو - ہاں تو سوال یہ ہے کہ 'میں کیا ہوں؟' انسان اپنے جسم کے علاوہ جو کچھہ محسوس کرتا ہے یہ خارجی عالم یقیناً 'میں' سے ایک جداگانہ شے ہے - یہاں تک کہ اپنی اولاد بھی باوجود اس کے کہ اولاد اپنا گوشت و پوست اور خون ہے 'میں' سے زبردست تعلق رکھتی ہے مگر پھر بھی "میں" نہیں - اس کے بعد غور کرنے والے دھیان میں "اپنا جسم" آئے گا - کیا 'جسم' میں ہے؟ جہاں تک حواس کام دے سکتے ہیں آدمی یہ جانتا ہے کہ جسم کے بغیر 'میں' کے وجود کا اس کو کوئی تجربہ نہیں - اس حیات ارضی میں اس بدن کے شکنجہ سے نکل کر 'میں' کا احساس کبھی عام طور پر نہیں ہوتا - نہیں یہ 'جسم' اس قدر ہمارے نفس پر چھایا سا رہتا ہے - اس طرح کا ہمزاد ہے کہ خواب میں بھی انسان 'میں' کو اس سے جدا نہیں کر سکتا - تاہم پھر بھی انسان کے نفس کی گہرائیوں میں یہ عقیدہ تہ نشیں ہے کہ 'جسم' کے نہ ہونے مٹنے پر بھی 'میں' باقی رہوں گا - 'جسم' ایک ظاہرہ 'میں' کا جزو لاینفک سہی لیکن یہ 'میں' نہیں - جس طرح کسی جسم کا عضو - ہاتھہ - کُل جسم نہیں ہو سکتا - اچھا تو کیا 'میں' جسے کہتے ہیں وہ میرا نفس یا دل و دماغ ہے؟

"دل و دماغ" یا بہ اصطلاح دیگر نفس (Mind) میں ایک زبردست چیز علم ہے یعنے خارجی عالم کا حسیاتی تجربہ جس کو تعقل کی کیمیا کم و بیش ایک نظام کی صورت میں ترکیب اور ترتیب دے دیتی ہے۔دوسری زبردست شے نفس میں جذبات کا نظام ہے جس کی جڑیں انسان کے 'انجان' میں شعوری سطح کے نیچے گڑی اور پھیلی ہوئی ہیں۔کیا 'میں' محض نفسی' عقلی یا محض جذباتی نظام کا نام ہے یا ان دونوں نظاموں کے مجموعے یا ان دونوں نظاموں کی ایک اور بالاتر تنظیم کو 'میں' سمجھا جائے؟ غور کے بعد انسان ان سوالات کا جواب نفی میں دیتا ہے۔نہ 'میں' محض عقلی یا جذباتی نظام ہوں اور نہ ان کی کوئی اور محض اعلیٰ تنظیم۔نفس بھی بہ حیثیت مجموعی 'میں' کا ایک جسم سے زیادہ قریب تر جز لاینفک ہے۔'میں' کے لئے جسم اور نفس محض اوزار ہیں اور بڑے کام کے اوزار ہیں لیکن پھر بھی نرے اوزار ہیں۔'میں' درحقیقت ان سے بھی کچھ پرے ہے۔بہر حال مثال کے طور پر یہ نفسیاتی تجربہ پیش کیا گیا ہے۔جو شخص تنہائی میں بیٹھ کر اس نہج پر غور و فکر کرے' اپنی ہستی کی گہرائیوں میں غوطہ لگائے وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ معرفت کی یہ منزل کس قدر کٹھن اور دشوار گذار ہے اور اس میں مغالطوں کے جن اور دیو قدم قدم پر ڈرانے اُلجھانے اور گمراہ کرنے کے لئے ھجوم کئے ہوے ہیں—

گو سلامت ہوں میں ظاہر میں پہ دل کے خطرات
رات دن گُھن کی طرح میرے تئیں کھاتے ہیں

یہ واضح رہے کہ ھمارے ھاں معرفت کا راستہ حواس والے رخ سے نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اوپر کہیں بیان کیا گیا ہے 'دل' کے ذریعہ حقایق کو سمجھنا بہترین طریقہ قرار دیا گیا ہے اور اس طریقہ پر درد نے طرح طرح سے زور دیا ہے—

عقدۂ دل کھول مثل قطرہ نادان کب تلک

جوں گہر غلطاں رہے گا آب اور دانے کے بیچ

اے درد مثل آئینہ ڈھونڈھ اس کو آپ میں

بیرون در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے

شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

سنتے ہیں یوں کہ آہ تو ہم میں ہی چپ رہا کہیں

اپنی تلاش سے غرض ہم کو ترا سراغ ہے

قصد ہے جس طرح بنے پہونچیئے آپ تک کہیں

دن بھی یہی ہے جستجو رات یہی سراغ ہے

حواس والے رخ سے نجات پانے کے متعلق اوپر تفصیل آچکی ہے۔میں کے سمجھنے کے لئے یہ گویا پہلی سیڑھی ہوتی ہے۔اسی مضمون کو اور زیادہ معنے خیز پیرایہ میں یوں ادا کیا ہے—

غیر سے کیا معاملہ آپ ہی ہیں اپنے دام میں

قید خودی نہ ہو اگر پھر تو عجب فراغ ہے

ان اشعار سے 'میں' کی تلاش کے کچھہ مرحلے واضح ہوں گے—

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام

اے درد کچھہ بہادیے اور کچھہ جلادے

باہر نہ ہو سکی تو قید خودی سے اپنی

اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

بند احکام عقل میں رهنا

یه بهی اک طرح کی حماقت هے

هم بهی فلک سے کرتے کسو چیز کی طلب

ڈهونڈها پر اپنے دل میں تو کچهه چاه هی نهیں

اس کدو کاوش۔تحقیق و تدقیق کے بعد بهی فرماتے هیں۔

احوال دو عام هے مرے دل په هویدا

سمجها نهیں تا حال پر اپنے تئیں کیا هوں

اس کے بعد بهی اهل دل کی سعی جاری رهتی هے۔یه سعی اس قدر نازک اور محنت طلب هوتی جاتی هے که طالب حق پکار اُٹهتا هے۔

مجهه کو تجهه سے جو کچهه محبت هے

یه محبت نهیں هے آفت هے

لوگ کهتے هیں عاشقی جس کو

میں جو دیکها بڑی مصیبت هے

یه سخت کوشش گهری اور نازک هوتی جاتی هے۔ 'میں' کے گرفت کرنے میں اهل دل اپنی هستی کی انتهای ته پر پهونچتا هے تو اس وقت یه حقیقت آشکارا هوتی هے۔

اے درد رفته رفته کیا آپ کو هی گُم

اس راه میں چلا تها میں کس کے سراغ کو

اب که 'میں' کو 'گُم' کر دیا یا دوسری طرح یوں کهئے که میں کی حقیقت کهل گئی تو اس وقت کے جذبات اس سے بهتر ادا نهیں هوسکتے۔

هے عشق سے میرے هی ترے حسن کا شهره

میں کچهه نهیں پر گرمی بازار هوں تیرا

تو ہووے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم
تو گُل ہے مری جان تو میں خار ہوں تیرا
اپنا تو نہیں یار میں کچھ یار ہوں تیرا
تو جس کی طرف ہووے طرف دار ہوں تیرا
تو چاہے نہ چاہے مجھے کچھ کام نہیں ہے
آزاد ہوں اس سے بھی گرفتار ہوں تیرا

اور یہ مستانہ شعر ملاحظہ ہو۔کس قدر کم اور سادے الفاظ میں کس قدر نازک بات ادا کی ہے۔یہ قدرت کلام حقیقت آشنا دل کا ہی حصہ ہو سکتی ہے—

حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہی
کُھلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا

اسی مطلب کو ایک اور طرح سے کیا خوب ادا کیا ہے—

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

یہ غزل جو ایک مسلسل نظم ہے 'میں' کی ایک دلچسپ اہل دل کے نقطۂ نظر سے شاعرانہ تعریف ہے۔اس غزل کے اشعار کی ذرا ترتیب بدل دی ہے تاکہ تسلسل زیادہ پیدا ہو جائے—

"میں"

گر دیکھئے تو مظہر آثار بقا ہوں
ور سمجھئے جوں عکس مجھے محو فنا ہوں
ہے مظہر انوار صفا میری کدورت
ہر چند کہ آہن ہوں پہ آئینہ بنا ہوں
آواز نہیں قید میں زنجیر کی ہرگز

هر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں
احوال دو عالم ہے مرے دل پہ ہویدا

....

ممنون مرے فیض کے سب اہل نظر ہیں
جوں نور ہر اک چشم کو دیدار نما ہوں
کرتا ہوں پس از مرگ بھی حل مشکل عالم
بے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں
ہوں قافلہ سالار طریق قدما درد*
جوں نقش قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

آخری شعر نہایت ہی معنے خیز ہے اور نہایت موزوں اور برجستہ الفاظ میں ادا ہوا ہے۔ارتقا کا سیلاب جس کی لہریں اور موجیں گذشتہ صدیاں اور قرن ہیں ہر زمانہ کے افراد کے دلوں میں سے گذرتا ہے اور ان کی زندگیوں کو پتوں کی طرح آگے کو بہا لے جاتا ہے اور یہ ساری زندگیاں اس سیلاب میں گھل مل کر 'یاران آئندہ' کے لئے اس سیلاب کی نا پیدا کنار موجوں میں ایک لہر کا اور اضافہ کر دیتی ہیں۔اس طرح ہر زمانہ میں جو لوگ کہ اہل ہیں جو اس سیلاب کے 'ورثہ' کو اپنا مال سمجھتے ہیں وہ 'طریق قدما' کے قافلہ سالار ہیں اور ظاہرا مت جانے کے بعد بھی یاران آئندہ کے لئے ان کا کارنامہ راہ نما ہوتا ہے۔اس طرح ارتقا کے بہاؤ میں علم کی مشعل ماضی والے اپنی زندگیوں کا تیل چھڑک کر حال کے حوصلہ مند ارباب کے ہاتھہ میں اس لئے سپرد کرتے ہیں کہ اسی طرح ان کے ہاتھوں یہ مشعل مستقبل کے سورماؤں کے حوالہ کر دی جاے—

* ٹنی سن کا یہ مصرع ملاحظہ کے قابل ہے
I the heir of all the ages, in the foremost files of time

اسی ڈھنگ کی ایک اور غزل ہے جو ذیل میں پیش کی جاتی ہے اس میں مطالب کی اور وضاحت کی گئی ہے اور جس جرأت اور قدرت کے ساتھہ مطالب ادا ہوے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کے دل روشن نے حقیقت کے چہرہ کو نقاب اُٹھا کر دیکھہ لیا ہے —

''ہم''

باغ جہاں کے گُل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں
تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہے
تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں
الفاظ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے
معنی کی طرح ربط گفتار ہیں تو ہم ہیں
وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر ہے وگر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں
دریاے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں گر پار ہیں تو ہم ہیں

'میں' کی حقیقت کی جستجو میں ایک زبردست اُلجھن یہ پیدا ہوتی ہے کہ انسان کا دل قدم قدم پر ایسے حواسی واقعات سے ٹکراتا ہے جو اس تمام 'گرمی بازار' کے وجود کے پیچھے والی ہستی کی یکتائی اور توحید کے تصور کو پاش پاش کر دیتے ہیں —

موجود پوچھتا نہیں کوئی کسو کے تئیں
توحید تو بھی ہوتی نہیں ہے عیاں ہنوز

اور یہی وہ خطرہ ہے جو معرفت کے طالب کے پیچھے ایک خونخوار شکاری

کتے کی طرح پڑا رہتا ہے اور صرف 'میں' کی حقیقت کے انکشاف کے بعد ہی اس طرح دور ہو جاتا ہے جس طرح ایک ڈراونے خواب کی ڈراونی چیز دفعتاً پگھل سی جاتی ہے اور ایک دل‌کش سی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ درد نے اس مسئلہ کے حل کو یوں ادا کیا ہے —

توحید

جمع میں افراد عالم ایک ہیں
گُل کے سب اوراق برہم ایک ہیں
ہووے کب وحدت میں کثرت سے خلل
جسم و جاں گو دو ہیں باہم ایک ہیں
متفق آپس میں ہیں اہل شہود
درد آنکھیں دیکھ باہم ایک ہیں
نوع انساں کی بزرگی سے تک ایک
حضرت جبریل محرم ایک ہیں
دال ہے اس پر ہی قرآن کا نزول
بات کی فہمید میں ہم ایک ہیں

چاہو وفا کرو نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اُٹھا دیے
وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیے
پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیے

ہو گیا مہماں سرائے کثرت موہوم آہ
وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

مدرسہ یا دھر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے یاں اک توہی صاحب خانہ تھا

مشہور خلق میں نہیں اپنے کمال کر
یکتا ہوں مثل آئینہ اورہی جمال کر
اے دزد کر تک آئینۂ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینہ کے سامنے جب آکے ہو کریں

'میں' کی حقیقت کی تلاش میں وحدت اور کثرت کے مسئلہ کے ساتھ گتھا ہوا ایک اور خطرہ بھی حل کا طالب ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ جبر و قدر کا ہے اور 'انڈے اور مرغی' کے معمہ کے طرح تاریخ کے بھی پرے کے زمانہ سے لاینحل چلا آتا ہے۔ سائنس کے نقطۂ نظر سے یہ دنیا ایک عالم اسباب ہے۔ اس کے قوانین میں یکسانیت ہے۔ بے جان فطرت جس میں فطری قوانین مثلاً کشش ثقل اور ارتقا اس کا بہترین ثبوت ہے کہ ہر واقعہ ایک اسبابی نظام کا اٹل نتیجہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ جانداروں اور خصوصاً انسان کے وہ افعال اور اعمال بھی جو سونچ سمجھ اور وجوہ موافق اور مخالف کے تولنے کے بعد صادر ہوتے ہیں فطری واقعات کی طرح ایک ناگذیر نظام علل کا نتیجہ نہ ہوں ؟ دوسرے الفاظ میں یوں کہئیے کہ انسان بھی اور جانوروں کی طرح ایک مشین ہے جس میں سونچنے

کے کل پرزے اضافہ کردے گئے ہیں-ہندوستان کا چھکڑا ایک مشین ہے جس میں ایک فطری قوت — جان کی قوت — یعنے بیلوں سے کام لیا گیا ہے-اسی طرح موٹر بھی ایک مشین ہے جس میں ایک فطری قوت تیل کے پھیلنے کی قوت سے کام لیا گیا ہے-موٹر ایک نہایت کارآمد چیز ہے لیکن چھکڑے کی طرح محض ایک مشین ہے-اسی طرح خود موٹر کا موجد انسان بھی ایک مشین ہے جس میں ایک اور قوت زیادہ کارآمد قوت دماغی-سونچ بچار-تعقل کی قوت والا انجن بڑھا دیا گیا ہے-ان معنوں میں انسان اس مغالطہ کے باوجود کہ "میں جو چاہوں کرسکتا ہوں" محض ایک مشین کی طرح مجبور ہے کہ وہ کام کرے جو نظام اسبابی نے اُس کے لئے اٹل کر دیا ہے-ارادے کی آزادی ایک دل خوش کن خواب ہے لیکن ایک کارآمد خواب انسانی مشین کے منجملہ اور کل پرزوں کے خود ایک چلتا پرزہ ہے-وہ پرزہ جو انسان کی دماغی مشین کو چل پڑنے پر اُبھارتا ہے —

دوسرے پہلو سے بے جان فطرت اور حیوانی دنیا سے قطع نظر کر لینے کے بعد محض انسان کے کارنامے کو پیش نظر رکھا جاے تو انسان کے کارناموں میں سے اس حصے سے جس کو تخلیقی کارنامہ کہہ سکتے ہیں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ بعض اعلیٰ دماغ ایسی راہیں نکالتے ہیں جو بالکل انوکھی ہوتی ہیں اور کسی استدلال سے اس بات سے پتہ نہیں چل سکتا کہ وہ محض ماحول یعنے نظام علل کا پھل ہیں-جس دماغ سے ایسا غیر مترقبہ کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے اُس کو انگریزی میں جی نی اس (Genius) کہتے ہیں-یہ ایک مہمل سا لفظ ہے اور اس لفظ کا استعمال اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسا کارنامہ محض اسبابی نظام سے واضح نہیں کیا جا سکتا-انسان کا ایسا کام جس سے انسان کے احاطۂ اقتدار میں اضافہ ہو جس سے انسان اپنے ماحول کی فطری قوتوں کو اپنا خادم بنا لے ترقی کی جان ہے-ارتقا پذیر تمدن کے یہی معنے ہیں کہ اس تمدن کے ڈھالنے

والے ماحول پر زیادہ چھائے ہوئے ہیں۔ایسے تمدن والی اقوام لازمی طور پر ان قوموں پر سوار ہوجاتی ہیں جو فطری قوتوں کو قابو میں نہیں لاسکتیں اور اپنے گرد و پیش کے ہاتھوں کٹ پتلیوں کی طرح ناچتی ہیں۔اس پہلو سے اگر دیکھا جائے تو انسان محض مشین نہیں ہے بلکہ وہ اسبابی نظام سے مستغنی ہوکر بھی سونچ سکتا اور عمل کر سکتا ہے اور خود اسبابی نظام کی اپنی سونچ اور عمل سے صورت بدل دیتا ہے—

درد نے اول تو اس مسئلہ پر بحث کرنے کو بے نتیجہ اور غیر عملی قرار دیا ہے اس لئے کہ—

وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر ہے و گر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں

لیکن معرفت کے مراحل طے کرنے کے دوران میں اس مسئلہ کے متعلق مختلف حالتوں میں ایک اہل دل شاعر کے منہ سے بعض احساسات بے تکلف ادا ہوجاتے ہیں۔بے جان فطرت پر نظر پڑنے کے بعد یہ احساس کہ یہ فطری ظہورات کسی زبردست ہاتھ کا کرشمہ ہیں اس طرح ادا کیا گیا ہے۔الفاظ کتنے جچے تلے اور بے ساختہ ہیں—

تحریک ہے یہ اس ید قدرت کی ورنہ کب
بے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے
کب اختیار اپنا جوں گل ہے اس چمن میں
گلچیں سے کیا چلے ہے کیا زور باغباں پر

انسان کے اندر جو 'الٰہی چنگاری' ہے اس کے مطالعہ کے دوران میں جو کیفیت طاری ہوئی ہے اس کو کس خوبی اور جرأت سے ادا کیا ہے—

انسان کی ذات سے ہی خدائی کے کھیل ہیں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

حقیقت کی گہرائی میں جوں جوں نظر اور اُترتی جاتی ہے اور توحید کے انتہائی راز پر سے نقاب اُٹھتی جاتی ہے اُس وقت ایک اور انکشاف ہوتا ہے اور اس کو درد نے اس سادگی۔ لطافت اور برجستگی سے ادا کیا ہے کہ اُردو ادب میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے —

اس امر میں بھی یہ بے اختیار ہے بندہ
ملا ہے درد اگر یاں کچھہ اختیار مجھے

جبر اور اختیار کے اس تصفیہ کے ساتھہ ایک اور معرکۃ الآرا مسئلہ خیر و شر کا بھی اپنے آپ طے ہو جاتا ہے۔ خیر و شر کی بنیاد انسان کے افعال ہیں اور افعال کا بھی وہ حصہ جس کی جان ارادہ ہے۔ جہاں انسان کے ارادہ کو دخل نہیں وہاں بھلائی اور برائی بے معنے سے الفاظ ہو جاتے ہیں۔ اُوپر جو جبر و قدر کی بحث آئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت درد نے ایک سطح ایسی بھی محسوس کی ہے جہاں انسان کی ذات کے بغیر یہ زندگی کی بازی شطرنج بے مقصد سی نظر آتی ہے۔ اس سطح پر انسان کا ارادہ آزاد ہے اور اس کے ارادی جانے بوجھے اعمال پر خیر و شر کا اطلاق ہو سکتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اصلی زندگی میں انسان کے فطرتاً اور عملاً اس موقع پر انسان کو اس کے کرتوتوں کا ذمہ دار گردانا ہے۔ سماجی دستور اور نظام قانونی کا مدار اسی اُصول پر ہے۔ لیکن جب نظر اور گہری ہوتی جاتی ہے تو یہ راز کھلتا ہے کہ جو کچھہ 'اختیار' انسان کو ہے وہ اس کی جسمانی اور ذہنی مشین کا اور پرزوں کی طرح البتہ زیادہ کارآمد پرزہ ہے اور اس عمیق تر پہلو سے انسانی اعمال یعنے وہ افعال بھی جہاں عملاً انسانی ارادہ کو آزاد مان لیا گیا ہے خیر و شر کے اطلاق سے اسی طرح بری ہیں جس طرح فطری واقعات یا خود انسان کے غیر ارادی افعال اخلاقیات کی بارگاہ میں معصوم سمجھے جاتے ہیں۔ جہاں تک انسانی افعال کا تعلق ہے خیر و شر کا مسئلہ عملی روز مرہ کی دنیا کے لئے کچھہ

زیادہ پیچیدہ نہیں- لیکن انسان اپنی زندگی کی مایوسیوں اور اپنے بلند ارادوں کی ناکامیوں کے زخم کھا کر کھسیانہ ہو جاتا ہے اور ایسی مایوسی اور ناکامی کی حالت میں اس دنیا پر اخلاقیات کے نقطہ سے نظر ڈالتا ہے اور نظام فطرت کے کاروبار پر خیر و شر کا حکم لگاتا ہے- وہ اپنی مایوسی کی ترنگ میں اس حیات ارضی اور اس کے نظام کے نتائج کا صرف وہی پہلو لیتا ہے جو اس کی نظر میں بے انصافی اور ظلم و زیادتی- ریاکاری اور بے ایمانی بد نظمی اور بیہودگی سے بھرا ہوا ہے- مثال کے طور پر مذہب کے نام سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ اس عالم کے انتظام کی بنیاد خیر مطلق ہے اور پھر مذہب کے ہی نام سے جنگ و جدال پر اُبھارا جاتا ہے- نوع انسان کی ہمدردی کے راگ کے ساتھ ہی جدال حیات موزوں ترین کی بقا کا خونین نغمہ بلند کیا جاتا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ اس عالم کے وجود کی زبردست علت وہ ذات ہے جسے خدائے تعالی کہتے ہیں اور پھر ایک مذہب دوسرے مذہب- ایک قوم دوسری قوم- ایک خاندان دوسرے خاندان- ایک شخص دوسرے شخص سے دست و گریباں ہے محض اس لئے کہ ایک کے اعتقادات اور خیالات اور اغراض دوسرے سے جداگانہ ہیں- واقعہ یہ ہے کہ نظام عالم پر خیر و شر کے پہلو سے انسان اسی وقت تصفیہ کا اہل ہوسکتا ہے کہ وہ اس نظام کی رسم- اس کے اصول اور قوانین کو پوری طرح سمجھہ لے اور اس نظام کے سارے کل پرزوں کی تنظیم اس پر آشکار ہوجائے- جب تک انسان کا علم اس رتبہ پر نہ پہونچے اس کا اس نظام کو برا یا اچھا قرار دینا قطعی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ خیر و شر کا اصلی مفہوم ہی معین کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ نظام عالم کا کُل اسرار الم نشرح نہ ہو جائے- انسان 'خیر و شر' بہت آسانی سے پکارتا رہتا ہے حالانکہ فطرت کے واقعات اور مشاہدات جو اب تک انسان کے دائرۂ علم میں آچکے ہیں اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ فطرت کے کارخانہ میں 'خیر و شر' کا تصور ہی نہیں—

خیر و شر کو سمجھہ کہ وہی زہر
سانپ کی زیست ہے تجھے سم ہے

فطرت کے بے جان اور جاندار رخ کو چھوڑ کر جانداروں میں سے صرف صاحب عقل انسان کی عقلی اُڑانوں یعنے مذہب۔ حکمت اور فلسفہ میں انسان اللہ تعالی کو اس عالم کا علت العلل قرار دیتا ہے اور بڑے زور زور سے اس مسئلہ پر وعظ اور لکچر دیتا ہے۔اگر اس مسئلہ کو صحیح مان لیا جاے اور اس کی صداقت دل پر نقش ہوجاے تو پھر 'خیر و شر' کا جھگڑا ہی نہیں رہتا اور آپس کا لڑائی جھگڑا آناً فاناً مت جاتا ہے--

گر کہتے ہو کہ ہے وہی ہادی وہی مضل
تو راہ پر ہیں سب کوئی بے راہ ہی نہیں

لیکن منہ سے کہنا اور بات ہے یقین کا ہونا اور بات۔لہذا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان فلاسفی اور سائنس کے باوجود جو انسان کو ہر قدم پر یہ دکھاتے ہیں کہ اس کی علمی ارتقا کس قدر ناقص ہے خالق مطلق کے ارادی افعال یعنے نظام عالم اور اس کے قوانین پر خیر و شر کے نقطہ سے جج بن بیتھتا ہے اور جہاں اپنے زعم میں ایک چیز کو ناقص سمجھا اور غل مچا دیا حالانکہ جو صاحب دل ہیں وہ جانتے ہیں--

اے درد منبسط ہے ہر سو کہاں اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

اس قسم کے ناقص علم کے ساتھہ جو نقایص اور نقصانات فرض کرلئے جاتے ہیں اور پھر ان کی اصلاح کی جاتی ہے تو اس کا نتیجہ سواے فساد کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ذیل کے شعر میں 'شیخ صاحب' سے مراد ایسے ہی کوتہ بین لفظی عالم ہیں خواہ ان کے سر پر پرانی درسگاہ کی دستار فضیلت کی چک پھیریاں ہوں یا کسی زمانۂ موجودہ کی یونیورسٹی کی چھجے دار طرہ والی کشتی نما

دو پڑلی ٹوپی۔ پہلے مصرع میں 'پر فساد' سے طعن آمیز طور پر یہ مطلب ھے کہ "جو آپ کی نظر میں پر فساد ھے"—

شیخ صاحب کچھہ نہ پوچھو خلق ھے وہ پر فساد
جس میں یاں اصلاح سے ھی فتنے برپا ھو گئے

ان مراحل کے طے کرنے میں صاحب نظر کے دل پر سے تعصب کا زنگ مٹ جاتا ھے۔اس کے دل میں ھر خیال اور عقیدہ کا احترام پیدا ھو جاتا ھے خواہ وہ خیالات اور عقاید اس کے اپنے عقاید سے کتنے ھی جداگانہ ھوں اور واقعہ بھی یہی ھے کہ جب ھر مذھب اور ملت کا مقصد طلب حق ھے تو ظاھر ھے کہ پھر بلند نظر روشن دل لوگوں کے لئے یہ بات کہ 'حق شناسی' کی راھیں جداگانہ ھیں فساد کی بنا نہیں ھو سکتی اس لئے کہ خواہ کوئی شخص یا ملت کوئی سا راستہ اختیار کرے صاحب دل ایسے راہ حق میں اپنا بھائی اپنا ساتھی اپنا ھمدرد ھی سمجھتا ھے—

بستے ھیں تیرے سایے میں سب شیخ و برھمن
آباد ھے تجھہ سے ھی تو گھر دیر و حرم کا

شیخ کعبے ھو کے پہونچا ھم کنشت دل میں ھو
درد منزل ایک تھی کچھہ راہ ھی کا پھیر تھا

حضرت درد کو بہ حیثیت ایک اھل دل کے کسی بات سے نفرت نہیں ھے بجز ان لوگوں کے جو صاحب نظر نہیں ھیں لیکن اپنے آپ کو روشن دل جتلاتے ھیں۔اس قسم کے لوگ نہایت کوتہ نظر ھوتے ھیں اور ان کی دوڑ محض الفاظ تک ھوتی ھے۔چونکہ اس قسم کی ھستیوں کی نظر اصلیت پر پڑتی ھی نہیں اس کا گھمنڈ ان کے دعوے صرف معرفت جیسے بلند ترین سائنس کے نقطہ سے ھی نہیں بلکہ عام طور پر علم کے ھر شعبے کے ماھرین کی نظروں میں نہایت

تکلیف دہ اور قابل نفرت ہوتے ہیں-حضرت درد جیسے ستودہ صفات بزرگ نے بھی جن کے کلام سے 'صلح کل' کا نور برستا ہے اس "گندم نما جو فروش" ذہنیت کے حضرات پر ظرافت کا تازیانہ اُڑایا ہے-الفاظ پرست حضرات صفائی اور ڈھیٹ پن سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق پڑھے پڑھائے اور سنے سنائے الفاظ دہراتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بے مثال ہستی کے دل تک کی باتوں پر عبور رکھتے ہیں-اس طرح کے لوگوں کے متعلق درد فرماتے ہیں—

کچھ مرتبہ ہے اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ اللہ ہی نہیں

موسو فلاماریون* فرانس کے مشہور ہیئت داں اپنی کتاب "ایک ہیئت داں کے خواب†" مطبوعۂ سنہ ۱۹۲۳ع میں لکھتے ہیں—

"اور واقعہ یہ ہے کہ جس ہستی کی بہ حیثیت خدا ارض کے باشندے تعریف کرتے آے ہیں اس کا وجود ہی نہیں"—

"خداے تعالیٰ کے لئے صرف ایک نام موزوں ہے—ناقابل فہم—فہمید سے پرے-فطرت کی مشین کے کل پرزوں کا انتہائی کمال-یہی وہ پردہ ہے جس کے پیچھے خداے تعالیٰ کی ذات پوشیدہ ہے"—

لفظ پرست طبقہ اہل دل حضرات پر تکفیروں کی بوچھار کیا کرتا ہے-کس برجستہ فطری صنعت الفاظ-سیدھی سادی ترکیب اور بے ساختگی سے یہ شعر نکلا ہے—

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

---

* M. C. Flammarion.

† Dreams of an Astronomer (T. Fisher Unwin, 1923) pp. 24 & 27.

جنت اور خصوصاً جنت کی حوروں کی اُمید ان حضرات سے مذہب کی ظاہری رسومات کی پابندی کراتی ہے۔ 'حور' کی دل کشی کے تصور کو متزلزل کرنے کی غرض سے فرماتے ہیں ―

دل کو لے جاتی ہیں معشوقوں کی خوش اسلوبیاں

صورتوں میں خوب ہوں گی شیخ گر حور بہشت

پر کہاں یہ شوخیاں یہ طور یہ محبوبیاں

لیکن واقعی دل لینے والے معشوق حوروں کی طرح ہاتھ نہیں آتے۔ تسبیح کے دانہ ان کو نہیں پھانس سکتے ―

آتے ہیں دام میں کب خورشید رو کسو کے

اے شیخ یہ نہیں ہیں تسبیح کے سے شمسے

انسان کا کیرکٹر اصلیت کے مطالعہ سے بنتا ہے۔ یوں اگر کوئی شخص سخت سے سخت محنت اُٹھائے اور اصلیت سے روشناس نہ ہو تو وہ محنت بھی اکارت جاتی ہے یا اگر کارآمد ہوتی ہے تو اسی حد تک جس طرح موجودہ مدارس کے طلبہ بجائے مطالب کو ذہن نشین کرنے کے کتابوں کو رٹ لینے کے عادی کرائے جاتے ہیں۔ اس طرح کی محنت سے دماغی ارتقا نہیں ہو سکتا اور دماغی ترقی ہی کیرکٹر کی عمدگی کی جڑ ہے۔ لفظ پرست لوگ جن کو درد 'شیخ' سے تعبیر کرتے ہیں بڑی بڑی محنتیں اُٹھاتے ہیں۔ منوں کتابیں چاٹ جاتے ہیں اور پھر بھی انسان نہیں بنتے وہی تنگ نظر۔ کے تنگ نظر تیرہ دل کے تیرہ دل اور بے کیرکٹر کے بے کیرکٹر رہ جاتے ہیں ―

ہم نے کہا بہت اُسے پر نہ ہوا یہ آدمی

زاہد خشک بھی کوئی سخت ہی خر دماغ ہے

گو کھینچ کھینچ چلے جان اپنی شیخ کھو دے

کوئی زندہ دل کرے ہے اس مردہ شو سے بیعت

یہ لوگ الفاظ کی حد تک ذہن رسا رکھتے ھیں اور ذہنی نکات اور لطایف کو نہیں سمجھہ سکتے۔ذیل کی رباعی میں اس بات کو واضح کرنے کے لئے لفظوں سے کیا لطیف کام لیا ھے اور یہ ظرافت کس قدر لطیف اور بلند ھے—

اے درد سبھوں سے بر ملا کہتا ھوں
توحید نہ میں چھپا چھپا کہتا ھوں
ملا کو بھی کچھہ اس میں نہیں ھے انکار
بندہ بندہ خدا خدا کہتا ھوں

معرفت کے مراحل میں یہ بات بھی ضروری قرار پا گئی ھے کہ معرفت کا طالب کسی خدا رسیدہ صاحب دل ھستی کو اپنا پر طریقت رھبر اور رھنما بنائے۔اس خیال کی وجہ سے ھماری سماج میں پیری مریدی کا ایک باقاعدہ نظام بن گیا ھے اور یہ عقیدہ دلوں میں راسخ ھوگیا ھے کہ بغیر کسی روحانی ھادی کے معرفت حاصل ھی نہیں ھو سکتی۔اس بارے میں بھی حضرت درد کی تعلیم نہایت مردانہ ھے سچائی کے کھوجی کے لئے کوئی رھنما ھستی ضروری نہیں۔ الوالعزمی۔عالی ھمتی۔تلاش حقیقت کی سچی لگن پیری مریدی سے بالکل مستغنی ھے—

تو بھی اے پاے طلب تک تو بھلا خواب سے چونک
اپنی ھی نوع سے ھیں وے جو پہونچ جاتے ھیں
کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و مے خانہ
مثال زندگی بھرلے اب اپنا آپ ھی پیمانہ
اھل نظر کو رھنما درد نہیں ضرور کچھہ
مثل شرر وھی ھے چشم اور وھی چراغ ھے

سچائی کا کھوجی جب ان سخت منزلوں میں سے ھوکر گزرتا ھے جن کا ایک خفیف سا خاکہ ان اوراق میں پیش کیا گیا ھے تو اس کا مردانہ دل اس

قدر صاحب حس ہوجاتا ہے کہ کائنات کی ہر حرکت-ہر کیفیت کو محسوس کر سکتا ہے اور حواس والی دنیا کے 'بتوں' اور نفسی عالم کے کھلونوں سے اس کو دلبستگی باقی نہیں رہتی-اس لئیے کہ اس کو اس حقیقت کا کھوج دامنگیر ہو جاتا ہے جو ظاہری حواسی اور باطنی نفسی فطرت سے بالا تر ہے—

دونو عالم سے کچھہ پرے ہے نظر

آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں

ایسا دل دردمند جو اس بلند ترین نقطہ پر پہونچ جاے ساتھہ ہی یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ—

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پاسکے

میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

جودل اس طرح بلند ہوجاے-جو روح اس قدر آلایشوں سے پاک ہوکر کائنات کی ہم وسعت ہوجاے وہ تیرہ خاک دان میں ایک خود روشن ستارہ بن‌جاتی ہے-ایسے صاحب دل کا کیریکٹر اس قبیل کا ہوتا ہے کہ جس سے اس ارضی حیات کے نظام اخلاقی میں تازی روح پھنک جاتی ہے اور دنیا پرست نوع انسان پر ایک روحانی بلند تر منشاء کا ایک دفعہ تو تھوڑی سی دیر کے لئیے انکشاف ہوجاتا ہے-اس قسم کے کیریکٹر والی ہستیاں صحیح معنوں میں آزاد ہوتی ہیں-آزادی کے معنیے یہ ہیں کہ انسان سچائی اور حقیقت کو دریافت کرے اور اس کا مطلقاً پابند ہوجاے-آزادی سب سے بڑی پابندی ہے-لیکن نہایت خوش گوار پابندی ہے بشرطیکہ یہ تلاش اور دریافت حق کے بعد حاصل ہوئی ہو-ڈھکوسلوں کے آگے سر کا خم کرنا یعنیے جان بوجھکر ایسی باتوں کا ماننا اور ان پر عمل کرنا جنکی سچائی دل میں راسخ نہیں غلامی ہے-اعلیٰ کیریکٹر کی بنیاد حق کوشی اور حق شناسی ہے-جوں جوں انسان کی نظر حقیقت کی جستجو میں بلند ہوتی جاتی ہے اس کا نفس ایک محدود دایرے

میں نیچی سطح پر جن قوانین فطرت کو اس حد تک اٹل اور انتہائی سمجھتا تھا وہ ایک اور وسیع اور بلند نظام کے تحت آتے جاتے ہیں۔ نفس کا اس طرح اونچا ہونا ایک پہاڑ کی سی چڑھائی بڑا ہی کٹھن کام ہے۔ اس روحانی چڑھائی میں درد اور محن کا ہر قدم پر ہجوم زیادہ ہوتا جاتا ہے مگر ساتھ ہی نفس میں طاقت اور روح میں لطافت بڑھتی جاتی ہے۔ طالبان معرفت کی ہی اس میں کچھ خصوصیت نہیں جو ہستیاں اس حیات ارضی میں زریں کارنامے اچھے یا برے چھوڑ گئی ہیں ان کی زندگی اسی قسم کی چڑھائی تھی۔ معرفت کے طالب کو دھر اوپر تک یہ چڑھائی چڑھنی چاہئے۔ اور ان حوصلہ مندوں میں سے بھی ہر ایک چوٹی تک نہیں پہونچتا اور پوری آزادی حاصل نہیں کر سکتا۔

انسان مادہ اور روح کی ایک تنظیم ہے اور تخلیقی قوت اس تنظیم اس حیرتناک مشین کی جان ہے۔ اس تنظیم کے نفسی یا یوں کہئے روحانی رخ کو کیریکٹر کہتے ہیں۔ اس کا مادی رخ جسم ہے اور جسم کا عضوی نظام اس طرح معین کر دیا گیا ہے کہ اس میں اساسی تبدیلی انسانی علم کی موجودہ دسترس سے باہر ہے۔ لیکن انسان جسم کی قوت کو بڑھا سکتا ہے اور قوت کا بڑھنا حسن اور صحت کا حاصل ہونا ہے۔ روحانی رخ یعنے کیریکٹر کے بارے میں بھی انسان کو اساسی رجحانات کی تبدیلی پر ابھی تک قابو نہیں ملا ہے البتہ اس رخ کی بھی قوت بڑھائی جاسکتی ہے اور اس پہلو سے زور اور بل کی زیادتی کے معنے علم حقیقت شناسی اور آزادی کے ہیں۔ جوں جوں یہ زور بڑھتا جائے گا انسان اسی قدر زیادہ صاحب علم۔ زیادہ حقیقت شناس اور زیادہ آزاد ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ معرفت کے اعلیٰ ترین درجہ پر اصحاب دل کا عقیدہ ہے کہ انسان اس انتہائی قوت سے روشناس ہوجاتا ہے جس کا مظہر یہ ساری کائنات ہے۔ اس سربفلک چوٹی پر پہونچنا کیریکٹر کی اعلیٰ ترین ارتقا

وسیع ترین علم اور کامل آزادی ہے- یہاں پہونچکر روح انتہائی قانون کے قالب میں ڈھل جاتی ہے اور اس طرح روح آزاد یعنے غیر محدود اور لا متناہی ہو جاتی ہےاس مطلب کو شاعرانہ رنگ میں حضرت نے یوں ادا کیا ہے—

درد کی قدر مرے یار سمجھنا واللہ
ایسا آزاد تیرے دام میں یوں آتا ہے
درد درویش ہوں، مری تعظیم
خلق کرتی ہے کہہ کے یا اللہ
با وجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

اس مرتبہ پر جو علم ہوتا ہے وہ یقینات سے ہوتا ہے- وہ ذہنی بے چینی وہ روحانی بے کلی جسے شک کہتے ہیں اس درجہ پر باقی نہیں رہتی- ہر امر ایک راسخ عقیدہ ایک اطمینان کلی اور انسان کی روح کا جز لاینفک ہو جاتا ہے—

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہوے تو ٹل سکے
مشکل ہے جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے

اس پر درد کٹھن تربیت اور اس طرح کیریکٹر کی ارتقا- ایسے دل صافی اور 'درد مند' کے حاصل ہونے پر ذات باری تعالیٰ کا جمال کائنات آرا روح محسوس کر سکتی ہے- جب یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور انوار جمال کو دل جذب کرسکتا ہے اس وقت دل پر نشہ طاری ہوتا ہے- جمال بے مثال کے انوار کا ہجوم پہلے پہل تو اہل دل شاعر کو پریشان سا کردیتا ہے- روح کی آنکھہ میں بھی چکا چوندھ سی آجاتی ہے- ہزارہا کیفیتیں ہوتی ہیں کہ سمجھہ میں نہیں آتا کون سی اور کس طرح بیان کی جاے- کون سی بات چنی جاے جہاں ہر

بات انوکھی اور لذت میں ڈوبی ہوئی ہو اور پھر وہ لفظ کہاں سے آئیں جو اس انوکھے پن اور لذت کے حامل ہوسکیں۔

مجھے رات ساری ہی تیرے یاں　　کتنے روتے کیوں کہ نہ شمع ساں
کہ نہ ہوسکے ہے کچھہ اب بیاں　　یہ وہ بات ہے کہ زباں نہیں
تجھے درد کیوں کہ سناؤں میں　　نہ خدا کسی کو دکھاوے یہ
جو کچھہ اپنے جی پہ گزرتی ہے　　کہوں کیا کہ اس کا بیاں نہیں

یہ جمال کمال جب پوری طرح پیش دل ہوتا ہے تو دل مبہوت سا ہو جاتا ہے اور پروانہ وار اس شعلۂ حسن کی طرف رخ کئے رہتا ہے حالانکہ اس جمال روح کش کا لگا تار نظارہ ابتداً سخت ترین تکلیف ہے اور ممکن ہے کہ ان پہلی ٹکروں میں جان پر بن جائے یا دل چل جائے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ عادی ہونے تک اس جمال کی ہر جھلک کے درمیان حواس والی دنیا کا پردہ حایل ہو ہوجائے۔دھیان روز مرہ کی زندگی کی طرف بھی بٹایا جائے تا کہ دل بے قابو نہ ہو۔اس منزل کا نقشہ درد نے یوں کھینچا ہے۔

جان پہ کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یا رہے مجھہ کو ادھر دیکھنا
گرچہ وہ خورشید رو نت ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا
سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھہ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھہ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

رفتہ رفتہ دل و دماغ اس انتہائی جمال کے سہنے کے عادی ہوجاتے ہیں اور ہوتے ہوتے اس نوبت کو پہونچ جاتے ہیں کہ اہل دل کی ساری زندگی میں یہ حقیقت سرائت کر جاتی ہے۔موجودات کے ذرے ذرے اور اس عالم صوری کی ہر صورت میں سے ایک ہی جمال کی کرنیں پھوٹتی رہتی ہیں اور ہر

لحظه زندہ دل ان کرنوں سے معمور رہنے لگتا ھے۔ذیل کے اشعار میں ان کیفیتوں کو ادا کیا گیا ھے—

آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کواڑ
دیکھ تو ھے کون بارے تیرے کاشانے کے بیچ

تجھ کو نہیں ھے دیدۂ بینا وگر نہ یاں
یوسف چھپا ھے آن کے ہر پیرہن کے بیچ

ملاؤں کس کی آنکھوں سے کہو اس چشم حیراں کو
عیاں جب ہر جگھ دیکھوں کسی کے راز پنہاں کو

ڈھونڈے ھے تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ھے

جگ میں آکر ادھر اُدھر دیکھا
توھی آیا نظر جدھر دیکھا

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ھوں وھی روبرو ھے

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ھے، یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ھے گا ترے سوا، تو اگر رھے ھے یہاں نہیں

پڑی جس طرف کو نگاہ یاں، نظر آگیا ہے خدا ہی واں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پتلیاں، مرے دل میں جاے بتاں نہیں
نہ ملا ہمیں کوئی نکتہ داں، یہ سناویں بیت بھلا کہاں
نہ ہوا سبھوں پہ وہی عیاں، جو کسی سے یاں تو نہاں نہیں

صبح اور خورشید کے مانند میری جیب کو
چاک کا موجب ہے تو ہی تو ہی اسباب رفو
ٹال دینا اس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما
پھر مجھے ہر پھر کے آرہنا اسی کے روبرو

انسان جب اس رفعت پر پہونچ جاتا ہے جس کے بعد پھر کوئی اور بلندی باقی نہیں رہتی تو ایسی ارتقا یافتہ ارواحیں اُن ثوابت کے مثل ہو جاتی ہیں جو خود روشن ہیں اور جن کے گرد سیارے اخذ نور کی غرض سے چکر لگاتے رہتے ہیں—

روشن ضمیر جتنے ہیں سالم ہیں جو نجوم
چرخ آسیا سے اپنی یہ دانے نہ دل سکے

ان کی موت موت نہیں ہوتی بلکہ مزید ترقیوں اور برکات روحانی کا پیش خیمہ ہوتی ہے—

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو

چاہے ہے یہ مری تپش دل کہ بعد مرگ
کنج مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

ایسی هستیوں کی زندگی لوگوں کے لئے ایک اعلی نمونه - نہیں صرف نمونه هی نہیں بلکه ایسی هستیوں کے بغیر دنیا ترقی هی نہیں کر سکتی --

گر خاک مری سرمۂ ابصار نه هوے

تو کوئی نظر قابل دیدار نه هوے

حضرت درد کے کلام کا موضوع وہ اعلی ترین علم -- معرفت -- هے جس کی تفصیل ایک غیر اهل دل کے نقطۂ نظر سے اوپر بیان کی گئی هے - جو استدلال که اوپر پیش کیا گیا هے اگر وہ صحیح هے تو قارئین کرام پر یه بات واضح هو جاے گی که عام طور پر بهی اهل دل شعرا کا کلام نہایت سبق آموز اور آنکهیں کهولنے والا هے - درد کا دیوان میری راے میں ان اعلی واردات قلب اور روحانی ارتقا کا ایک سچا چربه هے - معرفت کے رموز اس ننهے سے دیوان کی جان هیں لیکن ان کے علاوہ سچائی کے کهوج میں حیات ارضی نظام اخلاقی اور فطرت انسانی کے بہت سے نکات هیں جو نہایت نفیس پیرایه اور لطیف زبان میں ادا هوے هیں ان پر تفصیلی نظر کی ضرورت نہیں چند نمونے کافی هوں گے - حیات ارضی کی بے ثباتی یعنے انسان کی عمر کی کمی کے متعلق فرماتے هیں --

مانند حباب آنکهه تو اے درد کهلی تهی

کهینچا نه پر اس بحر میں عرصه کوئی دم کا

واے نادانی که وقت مرگ یه ثابت هوا

خواب تها جو کچهه که دیکها جو سنا افسانه تها

کام یاں جس نے جو که تهیرایا

جب تلک هووے آپ هی کام آیا

شعرا کا عموماً یہ عقیدہ رہا ہے کہ اس دنیا میں شادی کم ہے اور غم بہت ہے گویا اس حیات کی بنیاد کشش ثقل کی طرح ذہنی سطح پر غم ہے—

کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل
ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہے گا شکستہ دل
شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل
گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل

دل صد چاک ہے گل خنداں
شادی و غم جہاں میں توام ہے

اس 'حیات مستعار' کے شرر جیسے دوران میں دو روحوں کا ایک دوسرے کی جانب مائل اور رفتہ رفتہ آپس میں وابستہ ہونا ایک نہایت قابل قدر چیز ہے۔دوستی اس زیست میں ایک نعمت ہے—

کیا سیر سب ہم نے گلزار دنیا
گل دوستی میں عجب رنگ و بو ہے
غنیمت ہے یہ دید وا دید یاران
جہاں مند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہے

یہ ارضی زندگی میدان عمل ہے اور ہمارا ہر کام انمٹ ہے۔ہماری حیات ایک نالہ ہے کہ اپنے بہاؤ کے آثار مادر گیتی کے سینہ پر کھوتا جاتا ہے—

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

انسان کے عمل اور سرگرمی کا ایک زبردست سرچشمہ وہ خواہشات ہیں جو انسان کی دینوی راحت اور آرام سے متعلق ہیں۔ان خواہشات کی بنیاد پیٹ کی آگ ہے۔ان خواہشات کو حضرت نے حرص سے تعبیر کیا ہے—

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یاں
اپنے اپنے بورئے پر جو گدا تھا شیر تھا
اگر جمعیت دل ہے تجھے منظور قانع ہو
کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں

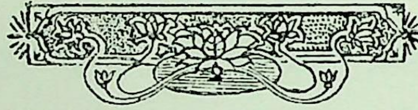
لیکن دنیا کی ان تن بدن کو سکھی رکھنے والی چیزوں کی آرزو انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ موت کے اُس پار والے عالم کے تصور میں بھی اس آرزو کی کھوٹ ملی رہتی ہے—

پیدا کرے ہر چند تقدس بندا
مشکل ہے کہ ہو حرص سے دل برکندا
جنت میں بھی اکل و شرب سے کب ہے نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی ہوگا دھندا

غرض یہ نمونہ ہے اُن خیالات کا جو حضرت کے کلام میں ضمناً آگئے ہیں اور ان خیالات کو اس طرح لے کر یہ مضمون نہایت طولانی کیا جا سکتا ہے اور ہمارے ہاں شعرا کے کلام کے مطالعہ کا عام ڈھنگ بھی یہی ہے۔لیکن اس مضمون میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ درد کے کلام کا مطالعہ ایک ایسے پہلو سے کیا جائے جہاں سے ان کا کلام ایک زندہ مجموعہ نظر آے جس کا ہر جز ایک دوسرے سے عضواً وابستہ ہو۔اور اس نقطۂ نظر سے جو کچھ کہ اس قسط میں پیش کیا گیا ہے اس میں حضرت کی دماغی اور روحانی ارتقا کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے۔معرفت کی راہ میں روحانی جد و جہد برترین حقیقت کا کھوج اور اس کش مکش اور تلاش کی واردات—یہ ہے وہ مواد جس پر

اس راقم کی رائے میں حضرت درد کی شاعری مبنی ہے۔اس پاک دل شاعر کے کلام کی روح کا تا حد امکان چربہ اُتارنے کے بعد ان کے کلام کے ظاہری پہلو کا مطالعہ بھی ضروری ہے —

ان کا کلام فن شعر گوئی کے لحاظ سے بھی اُردو شاعری کی ارتقا میں ایک سرحدی نشان ہے۔حضرت سے فن شعر کا جو رنگ شروع ہوتا ہے وہ اب تک ڈیڑھ سو برس کے بعد بھی اُردو شاعری پر چڑھا ہوا ہے —



سب رس منظوم

یعنے

(۱) وصال العاشقین مصنفۂ سید شاہ حسین ذوقی

(۲) گلشن حسن و دل مصنفۂ مجرمی

(از اڈیٹر)

ہم اسی رسالہ کے نمبر ۱۶ بابت اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ع میں ملا وجہی کی کتاب سب رس پر مفصل تبصرہ لکھہ چکے ہیں۔اسی ضمن میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ کتاب کا مضمون اور طرز بیان ایسا ہے کہ یہ ضرور اپنے زمانے میں مقبول ہوگی اور لوگ اسے شوق سے پڑھتے ہوں گے۔اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ اسی قصے کے دو منظوم نسخے جو دو مختلف شخصوں نے قریب قریب زمانوں میں نظم کئے ہیں ہمیں دستیاب ہوے ہیں—

ان میں سے پہلی کتاب کا نام وصال العاشقین ہے اور حسن و دل کے نام سے بھی مشہور ہے۔اس کے مصنف شاہ حسین ذوقی ہیں جن کا لقب بحرالعرفان ہے اور یہ اُن کے مرشد (شاہ خاں محمد) کا عطا کیا ہوا ہے چنانچہ اسی کتاب میں اپنے مرشد کی منقبت کے ضمن میں لکھتے ہیں—

کرم سوں دی مرے دل یم کو طغیان
رکھا پھر نانوں ہے مجھہ بحرالعرفان

ذوقی درویش منش اور متوکل شخص تھے۔ان کا زمانہ شہنشاہ اورنگ زیب کا زمانہ ہے۔چنانچہ کتاب کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے۔لکھتے ہیں کہ میں

اس کا کیا کروں کہ کوئی بادشاہ یا شہنشاہ میرے شعر کی داد دینے والا نہیں ہے —

کروں کیا جو کہیں کے نین شہنشاہ　　شعر کا داد مجھہ دیتے بلند جاہ

دلی کا بادشاہ ہے سو وہ ایسی عیش کی چیزوں کی طرف مائل نہیں دوسرے میرے شعر کی بھی وہاں تک کہاں رسائی تھی اور میری یہ قسمت کہاں تھی کہ میں اُسے اپنا کلام سناتا۔اگر بادشاہ مال مست ہے تو فقیر حال مست ہے۔تاہم خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسے بادشاہ کے عہد میں پیدا کیا اور اس کے بعد بادشاہ کی تعریف میں چند شعر لکھے ہیں —

شہنشاہ نیک جو پچھن ملوک کا　　بڑا عادل بڑا دھرمی سلوک کا

جو ہے اس وقت اورنگ زیب عالی　　نبی کی شرع کے گلشن کا مالی

سہاوے نام عالمگیر اسکوں　　گنا لازم ہے جگ کا پیر اسکوں

وغیرہ

کتاب کی تاریخ میں مصرعہ لکھا ہے —

حسیں ذوقی کہا ہے نیک جلوہ

اس سے سنہ ۱۱۰۹ ھجری نکلتے ہیں۔یعنے یہ کتاب سب رس سے تقریباً پینستھہ برس بعد لکھی گئی ہے۔اس کا ذکر وہ اپنی اس کتاب میں بھی کرتے ہیں۔لکھتے ہیں کہ میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسی نظم لکھوں جو شگفتہ ہو اور یادگار رہے۔ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔کوئی کام کی بات ھاتھہ نہ لگی۔آخر اس طرف توجہ کی —

مگر اے حسن دل کا خوش سرشتہ　　لبھایا منکوں میرے ہو فرشتہ

گرچہ اے سرشتہ لے اول بھی　　گندے ہیں ھار ملاں شیخ وجہی

رکھے ہیں ھار کاتس ناوں سب رس　　ولیکن اے سرشتہ نیں کتابس

ہوا کیا جو انو یک تار لیکر　　گندے اپنے موافق ھار لیکر

ذوقی نے یہاں تعلی کی ہے اگرچہ اس نے یہ کتاب نظم میں لکھی ہے لیکن وجہی کی سب رس کو نہیں پہنچتی۔ وجہی کی نثر میں جو لطف ہے وہ اس کی نظم میں نہیں۔ ذوقی نے بھی اخلاق و دین اور تصوف کی اصطلاحات کا خوب استعمال کیا ہے اور شروع میں تو اس قدر بوچھاڑ کی ہے کہ پڑھنے والا گھبرا جاتا ہے۔ لیکن آگے چل کر یہ جوش کم ہو جاتا ہے بلکہ بعض مقام پر وہ اس تلازمے کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ قصے میں بھی سب رس سے کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ اختلاف بالکل جزوی ہے۔ لڑائی کا بیان خوب لکھا ہے اور ہتیار بھی وہی استعمال کئے ہیں جو حسن اور دل کے مناسب ہیں۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آے ہیں تو لکھتے ہیں —

ہوے جو بہار دونوں مل مقابل   پڑیا لرزا زمیں اسماں کے درد ل
زمیں ہدری ابر گرجیا فلک دھل   اوبل دریا ڈوبے پہاڑاں دھمک تل

ہماری راے میں سب رس میں اس قصے کو بہتر نبھایا ہے۔

ذوقی دکھن کے مشہور مصنف اور شاعر ہیں۔ اس نظم میں انہوں نے اپنی پہلی تصنیفات کو گنوایا ہے۔ ایک تو حضرت غوث الاعظم کی منقبت میں ہے۔ دوسری وفات رسول اور معراج میں۔ تیسری منصور کا قصہ اور چوتھی ماباپ نامہ۔ یہ نام گنوانے کے بعد لکھتے ہیں —

ہنوز بند نیں طبیعت ہے ابلتا   سمند سے حوض کا جوں یم ہو چلتا

میرے پاس ذوقی کے ایک مرید اور شاگرد احد نامی کی بھی ایک تصنیف ہے جس کا نام غم نامہ (یا شہادت نامہ) ہے۔ اس میں شہادت امام حسین کا ذکر ہے۔ اس کتاب میں مصنف جگہ جگہ ذوقی کے احسانات کا ذکر کرتا ہے افسوس ہے کہ شروع کے چند ورق غائب ہیں ورنہ اس سے ذوقی کے حالات کا کچھ نہ کچھ ضرور پتہ لگتا۔ یہ نسخہ جو میرے پاس ہے خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے آخر میں جو نوحہ لکھا ہے اس میں سنہ تصنیف ۱۱۵۵

ھجری بتایا ھے۔ذوقی نے علاوہ ان مثنویوں کے غزلیں وغیرہ بھی کہی ھیں اور ان کا ایک مجموعہ میرے پاس بھی ھے۔طوالت کے ڈر سے صرف نمونے کے طور پر دو چار شعر یہاں لکھے جاتے ھیں—

ھے سرو قد سکی کا جوں پھول ڈال نازک
مکھ پھول پھل رھیا ھے جیسا گلال نازک
مکھ پھول* نارکی سوں ڈالی ہو پھل رھیا ھے
پھنکڑیاں سو پھول کیاں ھو دستیں ھیں گال نازک
پن† کہا کہ نازکی سوں لٹکے سکی اگن میں
گویا لباں شفق میں دستے ھلال نازک

مخمس

انکھیاں نس‡ دن پھڑکتیاں ھیں سجن دیدار دیکھن کوں
رھیاں نہیں چلن سوں ایک تل تڑپتیاں ھیں کسی کھن کوں
اپس دل کے صحیفے پر خوبی تجھ حسن ایکھن کوں
اندھارے مکھ نت اوتھ آؤں تمہارے درس$ دیکھن کوں
جیسے بت پوجنے کارن فجر کوں برھمن نکلے

۲-گلشن حسن دل

یہ بھی سب رس ھی کا قصہ ھے جو نظم میں بیان کیا گیا ھے۔اس کے مصنف مجرمی ھیں۔مجرمی تخلص ھے اصل نام شاہ بیر اللہ ھے جیسا کہ وہ خود ھی کتاب کے خاتمے پر لکھتے ھیں—

---

* گل انار † پان ‡ رات $ درشن

اس عاجز کا ناؤں شاہ بیر اللہ فقیر
جو سید میراں اس کا ھے دستگیر

رھنے والے بیجا پور کے معلوم ہوتے ھیں کیوں کہ لکھتے ھیں کہ میں نے اس قصے کو حمید الدین سامانی کے روضے میں اتمام کو پہنچایا۔ حضرت شیخ حمید قادری کا روضہ بیجا پور میں ھے اور یہ سندھ سے احمدآباد اور بیدر میں وارد ہوے اور وہاں سے بیجا پور پہنچے اور وھیں انتقال فرمایا —

دو سال کا عرصہ ہوا کہ فارسی زبان میں تقریباً ایک جز کا رسالہ میرے ھاتھ لگا جس میں حسن و دل کا قصہ تھا۔ مصنف یا کاتب کا کہیں نام نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اصل فارسی کتاب کا خلاصہ ھے۔ گلشن حسن دل سے اصل فارسی کتاب کا پتہ لگتا ھے۔ چنانچہ کہتے ھیں —

دیکھو حسن دل فارسی کا دھنی
جو سید محمد ھے یوسف الحسینی
بھی دکھنی زبانسوں کہیا نظم میں
جو کہیا نہیں ہوں بعجز حکم میں

فارسی میں اس کا نام حسن دل تھا مگر انھوں نے اپنی نظم کا نام گلشن حسن دل رکھا۔ اس کا اشارہ بھی کیا ھے —

جو قصہ اتھا فارسی بے بدل
کہ تھا نام اس کا حسن دل اصل
میرے دل میں آیا اتھا ایک خیال
کیہوں ایک قصہ حسن بے مثال
جو قصے کا تھا نام اول حسن دل
رکھیا نام دکھنی گلشن حسن دل

معجزمی کا زمانہ بھی وھی ھے جو شاہ حسین ذوقی کا ھے گویا دونوں

هم عصر هیں اور یہ دونوں کتابیں بھی ایک ھی زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے خود ھی سنہ تصنیف بتا دیا ھے—

یو بارویں صدی میں یو قصہ تمام

جو چودا برس نیں ھوے تھے تمام

یعنے اس حساب سے سنہ ۱۱۱۴ ھجری تصنیف کا سال ھوا—

مجرمی نے قصے کو بہت مختصر کر دیا ھے اور نظم بھی صاف اور بہت معمولی ھے۔ نمونے کے لئے دو ایک مقام سے کچھہ اشعار دیے جاتے ھیں۔ کتاب شروع یوں کی ھے—

جتا حمد ھے سو خدا کونچ ھے ثنا ہور صفت بھی اسیکونچ ھے

جو درگاہ اس کی اھے بے نیاز اپس سوں اپیں ھے وہ بے نیاز

نہ قادر ھے قدرت میں اس سار * کا نہ پیدا کیا ھے اپس سار کا

سزاوار ھے اُس کے تیں یک پناں † جو کوئی حق کوں بوجیا اسی یک پناں

قصہ یوں شروع کیا ھے—

زباں ہور نظر دونوں مل یار ہو چلے ھیں تماشے کو ایک تھار ہو

چلے جب تماشے کو ملکے ‡ ملوک تو دیکتے تمیز کر کو کرتے سلوک

سلوک سوں ھر ایک ملک کا لے خبر تو واقف ھو پھرتے تھے کرتے نظر

کتے ھیں ولایت کو آے دونو عجائب شہر ایک پاے اینو $



* مانند † واحد ھونا۔ایک ھونا ‡ ملک ملک $ انھوں نے

تبصرے



ادب



تذکرۂ شعرائے اردو موسوم بہ گل رعنا

یہ جدید تذکرہ مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم سابق ناظم ندوۃالعلما کی تالیف ہے جولوگ مولانائے مرحوم سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے انہیں ممکن ہے کہ اس کا علم ہو ورنہ عام طور پر لوگ اس سے لاعلم تھے کہ مولانائے مرحوم اردو زبان اور ادب کا ایسا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور ایسا خیال کچھہ بیجا بھی نہ تھا کیوں کہ مولوی صاحبان نے عموماً اردو زبان کی طرف سے غفلت برتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادبی ذوق مولانا کو اپنے والد ماجد سے ارثاً ملا ہے جواردو اور فارسی کے اچھے شاعر تھے اور جن کا حال اور کلام کا نمونہ انہوں نے کتاب کے آخر میں دیا ہے —

شروع میں اردو زبان اور اردو شاعری کی تاریخ اور اردو شاعری پر مختصر سا تبصرہ لکھا ہے اور اس کے بعد تین طبقے یعنے طبقۂ متقدمین۔ طبقۂ متوسطین اورطبقۂ متاخرین قائم کئے ہیں اور ہر طبقے کو ایک ایک دو دو دور میں تقسیم کیا ہے۔ طبقۂ متقدمین کے دور اول اور دور دوم میں مختصر طور پر زیادہ تر دکنی شعرا کا ذکر ہے۔ چونکہ مولانا نے خود اس زمانے کے کلام کا مطالعہ نہیں کیا اس لئے جو معلومات انہیں موجودہ تذکروں سے بہم پہنچی ہیں وہ سب بڑی خوبی سے جمع کردی ہیں اور اس وجہ سے جو غلطیاں سابق تذکرہ نویسوں نے عدم واقفیت کی وجہ سے کی ہیں ان کی اصلاح کی کوشش نہیں کی گئی اور بجنسہ نقل کردی گئی ہیں۔ اس کے بعد طبقۂ متوسطین اور طبقۂ متقدمین کے شعرا کا حال لکھا گیا ہے جو حالی اور اکبر پر ختم ہوتا ہے۔ ہر شاعر کے کلام کا نمونہ بھی دیا گیا ہے جس سے فاضل مولف کی وسعت نظر کا ثبوت ملتا ہے۔ اگرچہ زبان اور شعرا کے کلام پر اصلی تنقید کا حق ادا نہیں کیا گیا تاہم ہر شاعر کے کلام پر بہت ہی ملصفانہ رائے کا اظہار کیا گیا

ہے۔مولانا کو لکھنے کا بہت ہی اچھا سلیقہ ہے اور اردو میں اظہار خیالات پر پوری قدرت حاصل ہے۔کاش وہ اپنی دوسری تصنیفات و تالیفات بھی جو عربی میں ہونے کی وجہ سے گوشۂ گمنامی میں پڑی ہیں اردو زبان میں لکھتے۔یہ عبرت حاصل کرنے کا مقام ہےکہ جو لوگ غیر زبانوں میں کتابیں لکھتے ہیں اس سے نہ تو خود ان کے جوہر کھلنے پاتے ہیں اور نہ ملک کو عام طور پر کچھہ فائدہ حاصل ہوتا ہے—

کتاب چکنے کاغذ پر بہت صاف ستھری چھپی ہے۔تعداد صفحات ۵۴۶ ہے—

دار المصنفین اعظم گڈہ یا انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے (غیر مجلد) پانچ روپیہ (سکۂ انگریزی) قیمت پر مل سکتی ہے—

دکن میں اُردو

یہ کتاب حال ہی میں مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب (منشی فاضل) نے تالیف کی ہے۔شروع میں جنوبی ہند میں اردو کی ابتدا اور اس کی ترقی پر مختصر بحث کی ہے۔اس کے بعد قطب شاہی دور کا ذکر ہے جس میں سب سے اول سلطان محمد قلی قطب شاہ کا ذکر ہے جن کے حالات اور کلام پر رسالہ اردو میں مفصل تبصرہ چھپ چکا ہے۔اس دور کے دوسرے شعرا کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ان میں اکثر کا حال جو مل سکا ہے ایک ایک دو دو سطر میں ہے اور ایک ایک دو دو شعر بھی بطور نمونہ کے دے گئے ہیں۔یہ دور بارہ صفحے میں ختم ہوا ہے اس کے بعد عادل شاہی دور آتا ہے جو صرف تین صفحوں پر ہے۔دور عادل شاہی اور قطب شاہی کے بعد احاطۂ مدراس وبیجا پور وغیرہ کی نظم و نثر پر بحث کی گئی ہے۔اس مختصر بحث کے بعد کتاب کا اصل اور بڑا حصہ شروع ہوتا۔اس کا عنوان ’’اردو اور سلطنت آصفیہ ہے‘‘ اس کے انہوں نے چار دور قائم کئے ہیں اور اس میں متاخرین اور زمانۂ حال کے ناظموں اور ناثروں کے حالات اور ان کے کلام کے نمونے تفصیل سے دیے ہیں۔ان میں مولانا شبلی سے لے کر ایسے لوگوں تک کا ذکر آگیا ہے جو لکھے پڑھے کہے جاسکتے ہیں اور جنھوں نے کبھی کبھی کوئی مضمون کسی اخبار یا رسالے میں تحریر فرمایا ہے کتاب کے آخر میں عثمانیہ یونیورسٹی۔حیدرآباد کے نئے پرانے اخبارات اور رسالوں اور انجمنوں کا بھی نام بنام ذکر کیا گیا ہے—

کتاب ۱۸۰ صفحے میں ہے جن میں سے ۲۵ صفحے میں متقدمین کا ذکر ہے اور باقی کتاب میں متاخرین اور حال کے مصنفین کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے—

قابل مولف نے کتاب کی ترتیب میں محنت سے کام لیا ہے اور ان کی محنت اداد کے قابل ہے۔کتاب مولف سے ترپ بازار حیدرآباد کے پتہ سے دو روپے میں

مل سکتی ہے —

شمع شبستان

یہ پندرہ مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے - یہ افسانے وقتاً فوقتاً ہمارے ہاں کے اُردو رسالوں میں شایع ہوتے رہے ہیں - جہانگیر بک کلب (چابک سواران - لاہور) نے بڑا کام کیا کہ اس منتشر سرمایہ کو یکجا کر دیا - زیر تبصرہ کتاب "پہلا حصہ" ہے اور بہت جلد دوسرے حصہ کے شایع ہونے کی اُمید دلائی گئی ہے —

مختصر افسانہ نویسی نے باعتبار فن ابھی تک ہماری زبان میں کوئی ترقی نہیں کی ہے - چنانچہ اس مجموعے کے افسانے بھی (چند مستثنیات سے قطع نظر) جامعیت - واقعیت اور سیرت نگاری کی ان خصوصیات سے خالی نظر آتے ہیں جو ترقی یافتہ زبانوں کے افسانوں میں پائی جاتی ہیں —

مولفین نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ صرف "مشاهیر اهل قلم" کے افسانے جمع کئے جائیں چنانچہ اس مجموعہ میں ہمیں منشی پریم چند صاحب اور سلطان حیدر صاحب جوش کے افسانوں کے ساتھ ساتھ حکیم احمد شجاع صاحب نیاز - لطیف احمد صاحب - راشد الخیری صاحب وغیرہم کے افسانے بھی نظر آتے ہیں - اکثر افسانے جس رنگ میں لکھے گئے ہیں وہ وہی ہے جسے ہمارے ملک میں "ادب لطیف" کا عجیب و غریب نام دیا گیا ہے - شاعرانہ تخیل آفرینیوں کے لئے یہ رنگ چاہے کتنا موزوں کیوں نہ ہو لیکن مختصر افسانوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا - خیالی مضامین اور طول طویل قصوں میں جہاں مصنف کو گویائی کے کافی مواقع ملتے ہیں یہ طرز کھپ سکتا ہے لیکن مختصر قصوں میں جہاں لکھنے والے کو تفصیل کے بدلے اجمال سے کام لینا پڑتا ہے اور جہاں خود "بولنے" کے عوض تصویروں کی گویائی سے نفس قصہ کا انکشاف کیا جاتا ہے یہ رنگ کام نہیں دیتا - چنانچہ اسی کتاب میں اگر "بوڑھی کاکی" اور "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" کو پڑھا جاے تو فرق معلوم ہو جاتا ہے —

صفحہ ۸۳ "ان کی لسعانیت تماشا سوز حد تک بڑھ گئی تھی" نیاز

صفحہ ۷۳ "اپنی خود فراموش عقیدت کو اپنے سرکی ایک جنبش میں متشکل کر کے اس کے پاوں پر نچھاور کر دینا" احمد شجاع

صفحہ ۸۹ "میں نے اپنے گیسوؤں میں عنبر کی بو سونگھی - لبوں میں التہاب عقیق کو گویا دیکھا اور آنکھوں میں

ل-احمد

شباب کو متموج"

یہ اور اسی قسم کے جملے مختصر افسانوں میں اچھے نہیں معلوم ہوتے—

کتاب میں چند افسانے بہت اچھے ہیں جیسے "عشق کی خود کشی" "پھر بھی عمر قید" "بوڑھی کاکی" وغیرہ—

کتاب کے شروع میں سات صفحوں کی ایک "تقریب" بھی لکھی گئی ہے اس میں اُردو افسانہ نویسی کی تاریخ سے بہت ہی سرسری بحث کی گئی ہے اور ہمارے یہاں کے مشہور افسانہ نویسوں (مثلاً سرشار-نذیر احمد-شرر-محمد علی) کی خصوصیات بتلائی گئیں ہیں—

ہمیں مولفین سے ایک بات کی خاص طور پر شکایت ہے-ہر مشہور اہل قلم کے لئے جگہ نکالنے کی خاطر ذوق انتخاب کو قربان کر دیا گیا ہے-اگر ایک ہی افسانہ نگار کے دو یا تین افسانے شامل کر لئے جاتے تو کیا حرج تھا—

موجودہ اڈیشن میں ہمیں ان رسالوں کا نام نظر نہیں آتا جن میں یہ افسانے پہلی مرتبہ شایع ہوے-ہمیں اُمید ہے کہ قابل مولفین آئندہ اس کا لحاظ رکھیں گے اور ان رسالوں کے نام مع ماہ و سال اشاعت لکھیں گے—

لکھائی چھپائی غنیمت ہے اکثر کتابت کی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں-کاغذ اچھا، سر ورق دبیز و رنگین-جہانگیر بک کلب چابک سواران لاہور سے ایک روپیہ چار آنہ میں مل سکتی ہے—

(و)

دو آتشہ

جب سے کہ ہمارے ملک میں انگریزی تعلیم کا چرچا ہوا اور ہمارے نوجوانوں نے گہری نظروں سے انگریزي ادبیات کا مطالعہ شروع کیا اس وقت سے اب تک متعدد انگریزی نظموں کے ملظوم ترجمے مختلف ادبی اور علمی رسالوں اور اخباروں کے ذریعہ ملک میں پھیل چکے ہیں-اب جناب مولوی غلام محی الدین صاحب ایم-اے (انٹر میڈیٹ کالج لایل پور) نے اس پریشان مجموعے کو یکجا کر کے دو آتشہ کے نام سے چھپوایا ہے—

اس کتاب میں ۶۲ مشہور انگریزی نظمیں اور ان کے منظوم ترجمے ہیں-داھنی طرف کے صفحات ترجموں کے لئے اور بائیں جانب کے اصل انگریزي نظموں کے لئے مخصوص-کر دئے گئے ہیں-دونوں کی فہرستیں بھی علیحدہ علیحدہ دي گئی ہیں-یہ جدت یقیناً قابل تعریف ہے-اس سے مقابلہ اور موازنہ میں بہت

کچھہ سہولت ہوگی —

جناب مولف نے بڑی کوشش سے ان نظموں کو یک جا کیا ہے- ان میں سے کچھہ تو حالؔ ہی کی تصنیف ہیں اور کچھہ ایسی ہیں جو اب سے بہت پہلے چھپی تھیں- اکثر رسالے جن میں یہ نظمیں شایع ہوتی رہیں اب باقی نہیں رہے ہیں- اگر فاضل مولف ہر نظم کے محاذی اس رسالہ کا نام بھی لکھہ دیتے جس سے وہ منقول ہے اور ساتھہ ہی ساتھہ ماہ و سال اشاعت بھی دے دیتے تو زیادہ مناسب ہوتا- ہمیں امید ہے کہ آئندہ اڈیشن میں اس کا لحاظ رکھا جاے گا—

فاضل مولف نے نظموں کے انتخاب میں بھی اپنے ذوق کا ثبوت دیا ہے- اگر ایک طرف انگریزی شعرا کی صفوں میں وہاں کی مایہ ناز ہستیاں نظر آتی ہیں تو دوسری طرف بزم اردو بھی یہاں کے مشاقان فن سے خالی نہیں ہے- اکبر مرحوم اقبال مرحوم نظم طبا طبائی- نادر کاکوروی (مرحوم)- ضامن کنتوری- ناطق- نیرنگ- مولوی ظفر علی خاں صاحب- سب کے سب یہاں موجود ہیں—

ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب ملک میں مقبول ہوگی اور اس کے مطالعہ سے ہمارے نوجوان انگریزی داں شعرا کو بھی ترجمے کا شوق ہوگا- اگر ذوق سخن رہنمائی کرے تو یہی کوششیں ہماری اردو شاعری میں انقلاب پیدا کرسکتی ہیں- اگر اسی طرح سے مرہٹی اردو- بنگالی اردو اور دوسرے ہندی زبانوں کے مجموعے شائع ہوں- تو یقیناً ہماری ادبیات میں ایک قابل قدر اضافہ ہو جاے—

ظاہری اعتبار سے بھی کتاب بہت کچھہ دیدہ زیب ہے- اعلی درجہ کی مطلی جلد ہے- کاغذ بھی اچھا ہے- لیکن کتاب کی حثیت کو دیکھتے ہوے طباعت معمولی ہے- اکثر کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں- اگر یہی کتاب بجاے لیتھو کے تائپ میں چھپتی تو یقیناً زیادہ بہتر ہوتی—

کتاب کے شروع میں جناب مولف نے چھہ صفحہ کی ایک تمہید بھی لکھی ہے اور اس میں ضروریات شاعری پر مختصر سی بحث کی ہے—

کتاب لاہور پرنٹنگ پریس میں چھپی ہے اور وہیں سے مل سکتی ہے- قیمت مجلد طلائی تین روپیہ- قیمت غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنے—

(و)

خانۂ حیرت

یہ ہندی اردو فارسی کی پہیلیوں کہہ مکرنیوں اور دو سخنوں کا بہت ہی اچھا اور دلچسپ مجموعہ ہے- پہیلیوں کا رواج آج کل کم ہوتا جاتا ہے حالانکہ

ذہنی مشق کے لیٔے لڑکوں لڑکیوں کے لیٔے یہ بہت ھی اچھا مشغلہ ھے۔اس مجموعے میں نئی پرانی ھر قسم کی پہیلیاں موجود ھیں۔ان کے مطالعہ سے زبان کے ارتقا اور اس کی خوبیوں کا بھی پتہ لگتا ھے۔نیز ھمارے قدیم طرز معاشرت اور رسم و رواج کے متعلق بھی بہت سی باتیں نکل آتی ھیں۔سید عنایت علی صاحب کا شکر گزار ھونا چاھئے کہ انھوں نے بڑی محنت سے اس مفید اور دلچسپ کتاب کو مرتب کیا ھے۔صفحہ کے آخر میں پہیلیوں کے جواب بھی لکھہ دیے ھیں۔اس کتاب کے ۷۱ صفحے ھیں جن میں سے ۶۲ صفحوں پر ھندی پہیلیاں ھیں اور باقی ۹ صفحوں پر فارسی۔کل پہیلیوں کی تعداد ۶۷۳ ھے۔اس قسم کی کتابوں کی طالب علموں اور لڑکے لڑکیوں کے لئے بہت ضرورت ھے اور ھمیں امید ھے کہ والدین اور استاد دونوں اس کے رواج دینے کی کوشش کریں گے۔بچوں کے لئے اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ھوسکتا کہ کھیل کا کھیل ھے اور تعلیم کی تعلیم—

کتاب چھوٹی تقطیع پر بہت صاف چھپی ھے اور سید عبدالودود صاحب رضوی عرف منے میاں محلہ خادمان اجمیر سے مل سکتی ھے—

پپیہا اور پی کہاں

یہ نظم جو مسدس کی صورت میں ھے شام موھن لال صاحب جگر بریلوی کی تصنیف ھے۔پپیہے کی کوک ”پی کہاں“ سے طرح طرح کے مضمون پیدا کئے ھیں۔جگر صاحب اردو زبان پر پوری قدرت رکھتے ھیں اور یہ نظم بہت ھی پر لطف اور پاک صاف زبان میں لکھی ھے۔جو لوگ اردو کی جدید شاعری سے شوق رکھتے ھیں۔ان کے پڑھنے کے لائق ھے—

نظامی پریس بدایوں سے ۲ آنہ میں مل سکتی ھے—

اُردو زبان پر انگریزی ادب کا اثر

(The Influence of English Literature on Urdu Literature)

یہ کتاب انگریزی زبان میں ھے۔اس کے لکھنے والے سید عبداللطیف صاحب بی۔اے۔پی۔ایچ ڈی (لنڈن) پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن ھیں۔یہ اصل میں وہ مقالہ ھے جو انھوں نے پی۔ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے لنڈن یونیورسٹی میں پیش کیا تھا—

مضمون بہت دلچسپ ھے اور پڑھنے کے قابل ھے۔کتاب تین حصوں میں تقسیم کی گئی ھے۔پہلے حصے میں بطور دیباچہ کے انگریزی اثر سے قبل کے اردو

ادب کا ذکر ہے جو صرف گیارہ صفحوں پر ہے - دیباچہ کے علاوہ دو باب اور ہیں - پہلے باب میں اُردو زبان کی تاریخی حیثیت پر نظر ڈالی گئی ہے اور دوسرے میں اس کی خصوصیات کا بیان ہے - دوسرے باب سے انگریزی اثر کی بحث شروع ہوتی ہے - اس باب میں اُن ذرائع اور وسائل کا ذکر ہے جن کی بدولت یہ اثر اُردو ادب تک پہنچا - تیسرے باب میں انگریزی اثر کے نتائج سے بحث کی گئی ہے جس میں چار باب ہیں (۱) - قدیم ادبی خیالات سے رجعت (۲) - نظم میں نئی تبدیلیاں (۳) - نثر میں نئی تبدیلیاں (۴) - جدید شان (ظاہر و باطن کے لحاظ سے) - اس کے بعد دو اڑھائی صفحے کا خاتمہ ہے جو کتاب کا لب لباب ہے —

عنوانات کی تقسیم بہت جامع اور دلچسپ ہے اور فاضل مولف کی نظر سے کوئی بات ایسی نہیں بچی جو قابل ذکر ہو - ہم نے اس کتاب کو بہت شوق سے پڑھا لیکن پڑھنے کے بعد کسی قدر مایوسی ہوئی - اس میں کہیں اُس ادبی تحقیق - تنقیدی نظر اور گہرے مطالعہ کے آثار نہیں پائے جاتے جو ایک ایسے مقالے کے لئے لازم ہیں - تمام بحثیں سرسری اور اوپری ہیں اور وہی عام رائیں اور معمولی باتیں جو عام طور پر دوسرے تذکروں اور تحریروں میں پائی جاتی ہیں بیان کردی گئی ہیں - مضمون کی تقسیم اور ترتیب بیشک قابل تعریف ہے - البتہ سرسید احمد خاں مرحوم اور مولانا حالی کا جو مستقل اثر اُردو زبان اور ادب پر پڑا ہے اُسے کسی قدر سلیقہ اور خوبی سے بیان کیا ہے جو دوسری کتابوں میں نظر نہیں آتا - اگر یہی کتاب اُردو میں ہوتی تو زیادہ قابل لحاظ نہ ہوتی —

کتاب میں جا بجا ایسی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں جن کی ایک اُردو زبان کے مولف اور ادیب سے توقع نہیں کی جا سکتی - مثلاً الہارون کو مولانا شبلی مرحوم کی تصنیف بتایا گیا ہے - حالانکہ خود کتاب کا نام یہ کہے دیتا ہے کہ یہ مولانا شبلی کی تصنیف نہیں ہو سکتی - اس کتاب کا ذکر دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ اسے مولانائے مرحوم سے منسوب کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۹۳ '۱۲۰) —

اسی طرح امانت کا نام امانت علی تحریر فرمایا ہے - جہاں تک ہمیں خیال ہے اُن کا اصل نام سید آغا حسن ہے —

جہاں ملک کی اُن انجمنوں اور اداروں کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے انگریزی زبان سے اُردو میں ترجمے کر کے زبان میں اضافہ کیا ہے ان میں دائرۃ المعارف حیدرآباد کا بھی ذکر ہے اور اُس کا ذکر ہر جگہ اسی شان سے آیا ہے - جامعۂ عثمانیہ کے پروفیسر سے ایسی غلطی کا ہونا حیرت کی بات ہے - غالباً ان کا مطلب مرحوم سررشتۂ علوم و فنون سے ہے جو کبھی مولوی سید علی بلگرامی مرحوم کی

نگرانی میں قائم ہوا تھا—

معلوم نہیں یہ خیال فاضل مولف نے کس بنا پر قایم کیا ہے کہ امانت نے ڈر کے مارے اس ڈرامے کو اپنے سے منسوب نہیں کیا ہے —

کتاب متوسط تقطیع پر ۱۳۶ صفحے کی ہے۔لنڈن میں چھپی ہے لچھمی نرائن اینڈ کمپنی رزیڈنسی حیدرآباد سے مل سکتی ہے۔طلبہ کا اڈیشن پانچ روپیہ میں اور کتاب خانوں کا اڈیشن سات روپیہ میں—

منتخبات نظم اُردو

یہ سلسلۂ انتخاب جناب محمد الیاس برنی ایم اے پروفیسر جامعۂ عثمانیہ کا مرتب کردہ ہے جس پر کسی گزشتہ پرچے میں تبصرہ ہو چکا ہے۔یہ اس کا دوسرا اڈیشن ہے۔بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ انتخاب ملک میں مقبول ہوا اور دوبارہ طبع کی نوبت آئی۔جدید طبع میں اور بہت سی نظمیں اضافہ کی گئی ہیں۔کُل سلسلہ بارہ جلدوں میں ختم ہوتا ہے اور مضامین کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم ہوا ہے۔پہلی چار جلدوں میں معارف ملت۔دوسری چار جلدوں میں جذبات فطرت اور تیسرے حصے میں مناظر قدرت کے متعلق نظمیں ہیں۔یہ کتابیں خوبصورت تقطیع پر بہت پاک صاف چھپی ہیں۔ہر کتاب کے آخر میں جن جن شعرا کے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے اُن کے نام۔سنہ ولادت اور سنہ وفات اور وطن کا پتہ بتا دیا گیا ہے اور جو جو نظمیں اُن کے کلام سے انتخاب کی گئی ہیں اُن کے نام بقید صفحہ درج کردئے گئے ہیں۔کتابیں مجلد ہیں۔ہر جلد کی قیمت ایک روپیہ ہے—

مرزا غالب کی شاعری

یہ مولوی مرزا محمد عسکری صاحب بی اے سکریٹری انجمن اُردو لکھنؤ کا ایک لیکچر ہے جس میں موصوف نے غالب کی شاعری پر وسیع مطالعہ کے بعد اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور لکھنؤ کی مسلم اکاڈمی کے جلسہ منعقدۂ ۱۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۳ ہجری میں سنایا تھا۔پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مرزا صاحب نے غالب کے اُردو فارسی تصانیف اور کلیات و دیوان کو کافی غور و خوض اور دقت نظر سے پڑھنے کے علاوہ فن شعر اور غالب سے متعلق دیگر ضروری کتب کی چھان بین کرنے کے بعد اس لکچر کو تیار کیا ہے۔اس میں مرزا

غالب کے کلام فارسی اُردو کی خصوصیات اُن کے مذھب ھیں اور خاندانی حالت کے اثرات وغیرہ کو عمدگی سے دکھایا ھے۔ شروع سے آخر تک لکچر دلچسپ اور عمدہ معلومات کا حامل نظر آتا ھے —

حجم ۳۲ صفحے۔ لکھائی چھپائی معمولی۔ قیمت چار آنہ۔ ملیجر صاحب دلگداز لکھنؤ سے ملتا ھے —

(م)

——:o:——

تاریخ و سیر

محمد کی سرکار

یہ سیرۃ رسول عربی صلعم ایک سکھہ قوم کے بزرگ سردار گوردت سنگھہ صاحب دارا بیرسٹر و ایڈیٹر اخبار هند (لندن) کی تالیف ھے۔ فاضل مولف نے یہ کتاب وسیع مطالعہ کے بعد بڑی محبت اور صداقت سے لکھی ھے اور اُس کے ایک ایک لفظ سے پریم اور خلوص ٹپکتا ھے۔ لکھنے کا ڈھنگ بھی بہت ھی دل کش ھے۔ عبارت میں روانی اور شیرینی پائی جاتی ھے اور جو کچھہ لکھا ھے سچے دل اور سچی عقیدت سے لکھا ھے۔ کتاب پڑھنے کے قابل ھے مولف تو ھر حال میں لایق شکریہ ھے۔ لیکن اس کے بعد خواجہ حسن نظامی صاحب کا بھی شکر گزار ھونا چاھئے کہ انھوں نے اس کتاب کو اپنی نگرانی میں چھپوایا۔ کتاب ۱۸۴ صفحہ پر بہت خوبصورت چھپی ھے۔ قیمت آٹھہ آنے۔ دفتر حلقۂ مشائخ بک ڈپو دھلی سے مل سکتی ھے

سلاطین بہمنی

یہ چھوٹی سی کتاب خواجہ حسن نظامی صاحب کی تالیف ھے جو هندوستان کی اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں شامل ھے۔ اسی سلسلے میں جناب خواجہ صاحب تاریخ دکن بھی لکھنا چاھتے ھیں جس کا یہ پہلا حصہ ھے۔ یہ سلسلہ بچوں کے لئے ھے تاکہ مسلمان لڑکے لڑکیاں اپنی تاریخ سے واقف ھوں۔ اس حصے میں صرف بہمنی خاندان کا ذکر ھے اور آسان اور صاف عبارت میں تمام حالات بیان کئے

گئے ھیں-طالب علموں کے لئے بہت اچھی کتاب ھے چھوٹی تقطیع کے ۸۰ صفحہ ھیں قیمت آتھہ آنے—

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ حکیم شمس اللہ صاحب قادری ایم-آر-اے-ایس کی تالیف ھے جس میں انھوں نے چھٹی صدی ھجری کے ایک فاضل اجل اور جید حکیم کی زندگی کے حالات اور اُن کے کلام کا تذکرہ مختلف تذکروں اور تاریخوں سے بہت تحقیق کے ساتھہ لکھا ھے-اس کے بعد جن جن سلاطین اور اُمرا کا ذکر اُن کے قصائد میں آیا ھے اُن کی فہرست بھی دے دی ھے-آخر میں اُن تمام کتابوں کی فہرست ھے جن سے یہ حالات اخذ کئے گئے ھیں-یہ رسالہ انگلستان کے مشہور و معروف مستشرق پروفیسر براون کے نام سے معنون کیا گیا ھے-قابل مولف مشاھیر شعراے عجم کے نام سے ایک سلسلہ مضامین لکھنے کا ارادہ رکھتے ھیں-یہ اُس سلسلہ کا پہلا مضمون ھے-یہ رسالہ تاج پریس حیدرآباد میں چھپا ھے—

مسکوکات قدیمہ (ھندوستان جنوبی کے سکہ جات طلائی)

یہ وہ سکے ھیں جن کا نام مسلمان مورخین نے ھون لکھا ھے اور جو تامل زبان میں ویراھا اور یورپی السنہ میں پیگودا کہلاتے ھیں-یہ رسالہ حکیم شمس اللہ صاحب قادری ایم-آر-اے-ایس کی تالیف ھے-ھون (یا ھن) کا لفظ عموماً ادب اور تاریخ کی کتابوں میں آتا ھے مگر بہت کم لوگ اس کی حقیقت سے آگاہ ھیں-قابل مولف نے نہایت تحقیق اور تلاش سے اس کی تاریخ لکھی ھے اور مختلف زمانوں جو جو اس سکہ کی حالت رھی ھے اور جو جو تغیرات اس کی صورت اور وزن میں ھوے ھیں اُن سب کو تفصیل سے لکھا ھے-حکیم صاحب سکوں کے فن میں بڑی مہارت رکھتے ھیں اور یہ رسالہ اُن کی تحقیق و تلاش کی شہادت دیتا ھے-رسالہ کے آخر میں ھون کی مختلف شکلوں کے نقش دئے ھیں-جو لوگ قدیم سکوں اور قدیم معلومات کا ذوق رکھتے ھیں اُن کے مطالعہ کے قابل ھے—

رسالہ تاج پریس حیدرآباد دکن میں چھپا ھے اور وھاں سے پانچ آنے میں مل سکتا ھے—

تاریخ اسلام جلد اول (مولفۂ مولانا اکبر خاں صاحب نجیب آبادی)

ان دنوں اکثر حضرات عربی تاریخوں کا ترجمہ اُردو میں محنت و کاوش سے کر رہے ہیں۔ مترجمین کے گروہ کے علاوہ ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو عربی تاریخوں میں سے واقعات کا مطالعہ کر کے انہیں اپنے نقطۂ خیال سے ترتیب دیتا ہے۔ مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نے بھی تفصیل سے کام لیکر ایک تاریخ تالیف کی ہے۔ جلد اول میں فاضل مولف نے زمانۂ جاہلیت پر گہری نظر ڈالی ہے اور اس زمانہ کی تمدنی و معاشرتی حالت کو خوب بیان کیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم و خلفائے راشدین کے واقعات کو شرح و بسط سے مرتب کیا ہے۔ عربی قبائل کی نسلی حقیقت کو بھی صراحت سے بیان کیا ہے۔ شجرے عمدہ تیار کئے ہیں۔ ایک بات جس میں آپ دوسرے مورخوں پر سبقت لے گئے ہیں وہ جنگوں کا بیان ہے۔ سوائے مصر کی جنگوں کے باقی سب محاربات اسلامی کا آپ نے مکمل خاکہ کھینچا ہے جو شخص جنگوں کے ارتقا پر کچھہ تحریر کرنا چاہے اسے آپ کی اس تاریخ سے بہت مواد مل سکتا ہے۔ کہیں کہیں نتائج و عواقب سے رجعت کر کے اسباب و علل پر بھی غور کیا ہے۔ حضرت عثمان کے زمانے میں اسلامی اخلاقیات کے تنزل کو عمدہ پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔ اس تسلسل کا ہمیں ضرور اعتراف کرنا پڑتا ہے جس سے آپ نے عبداللہ ابن سبا کی سازش کو درج کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح اس شخص نے مملکت اسلام کے مختلف مراکز پر انجمنیں قایم کر کے نفاق کی بنا ڈالی۔

مگر اسی کے ساتھہ ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ مولف نے کہیں کہیں مورخانہ اعتدال سے تجاوز کیا ہے۔ ہر روشن ضمیر مسلمان سمجھتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کے تہذیب و تمدن میں ان کی محنت و ذہانت کو بہت دخل تھا لیکن ابتدا ان کی نہیں ہے۔ کسی نہ کسی صورت میں انہوں نے دوسری قوموں سے تمدن لیا اور اس کو فروغ دیا۔ فاضل مولف نے جو کچھہ حکمائے یونان کے متعلق لکھا ہے وہ کبھی ابن سینا یا ابن الرشد نہ کہتے۔ ملاحظہ ہو۔

صفحہ ۵ "مسلمانوں کو ارسطو۔ بیکن۔ بطلیموس و نیوٹن کی کوئی احتیاج نہیں کیوں کہ ان کے اسلاف کی مجلس میں ایسے ایسے فلسفی و ہیئت داں موجود ہیں جن کی کفش برداری پر مذکورہ مشاہیر کو فخر کا موقع مل سکتا ہے"۔

کہاں ارسطو اور کہاں بیکن۔ کہاں بطلیموس کا زمانہ اور کہاں نیوٹن۔ ایک

ہی فقرے میں قدیم و جدید سائنس و فلسفہ دانوں کو روند ڈالا ہے —

صفحہ ۷ "اسلام سے پیشتر کسی قوم کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ فن تاریخ نویسی کی طرف متوجہ ہوتی" —

غالباً مولف نے ہیروڈوٹس - تھوسی ڈائڈز - لوی - پلوتارک - ٹیسیٹس - ایرین کو بالکل فراموش کر دیا ہے —

ایک جدید نظریہ قایم کیا گیا ہے —

صفحہ ۱۰ "تاریخ میں چوں کہ اچھے آدمیوں کی خوبیاں اور برے لوگوں کی برائیاں لکھی جاتی ہیں لہذا کسی رذیل یا کمینہ خاندان والے کو علم تاریخ سے بہت کم محبت ہو سکتی ہے" —

اس زمانے میں جب کہ عموماً تمام دنیا میں اور خصوصاً یورپ میں خاندانی نجابت کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے تو شاید فن تاریخ بھی دنیا سے اٹھ جاے گا —

جمہوریت کو مولف نے خوب پائمال کیا ہے اور جیمز اول کے نظریے حقوق شاہی منجانب اللہ کو از سر نو تازہ کیا گیا ہے - ایسی باتیں جو عقل و صداقت کے خلاف ہیں آج کل ایک مورخ کے قلم سے نکلنی موجب حیرت ہے - نمونہ کے لئے ذیل کے جملے ملاحظہ ہوں —

صفحہ ۱۵ "بادشاہ مجازی خدا ہوتا ہے"

صفحہ ۱۹ "جمہوری حکومتوں میں کوئی نپولین - سیزر - تیمور - ہنی بال - شیر شاہ پیدا نہیں ہو سکتا" —

اسلام کی فتوحات کے بیان کرنے میں مولف نے کہیں کہیں مبالغہ سے کام لیا ہے اور واقدی کا رنگ اختیار کیا ہے —

صفحہ ۲۰۲ "جنگ لیس (ایران) میں ستر ہزار دشمن میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے" —

صفحہ ۲۱۰ "ایک لاکھ تیس ہزار رومی لقمۂ اجل ہوے" —

صفحہ ۲۲۰ "ایرانی لشکر کے قریباً ایک لاکھ آدمی ' بروایت ابن خلدون ' اس لڑائی (جنگ بویب) اور مسلمانوں کے لشکر سے صرف سو آدمی شہید ہوے" —

جن مورخین نے بہت تحقیق سے ان جنگوں کے متعلق لکھا ہے وہ ایرانیوں اور رومیوں کی تعداد صرف اتنی بتاتے ہیں جتنی کہ بقول مولف میدان جنگ

میں کام آئی —

عام مورخین کی مانند آپ نے بھی متنازعہ فیہ واقعات کو نہایت مبہم بیان کیا ہے اور ایک رائے قایم نہیں کی —

صفحہ ۲۱۸ "حضرت عمر خالد ابن ولید کو غیر محتاط اور متہور شخص سمجھتے تھے" —

صفحہ ۲۴۴ "خالد ابن ولید کی شاہ خرچیاں اکثر قاعدے کے ماتحت نہ آتی تھیں" —

صفحہ ۲۷۱ "حضرت ابوذر غفاری کو مشورہ دیا گیا کہ آپ مدینہ سے کسی گاؤں میں سکونت اختیار کریں" —

مولف نے کہیں کہیں غلطیاں بھی کی ہیں —

صفحہ ۱۹۷ "سلطنت اٹلی کا شہر روما تھا جس میں جولیس سیزر اور سینٹ اغوسطس وغیرہ شاہنشاہ گزرے" —

جولیس سیزر اٹلی کا شاہنشاہ نہ تھا بلکہ کونسل تھا - سینٹ اغوسطس کوئی شہنشاہ نہیں ہوا البتہ آکٹوویس آگسٹس پہلا شہنشاہ ہے مگر وہ ولی کب سے ہوا ہے —

جنگ موتہ میں تو صاف طرفداری کرکے اسلامی ہزیمت کو فتح میں بدل دیا ہے —

مملکت کے نظم و نسق اور آئین و قوانین - ابتدائی تہذیب پر کوئی نظر ڈالی نہیں گئی بالخصوص حضرت عمر کے انتظامات مملکت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے - اس میں یہ دکھانا چاہئے تھا کہ خلفاے راشدین نے تنظیم سلطنت میں کیا کیا جدتیں پیدا کیں —

کتاب پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالتے ہوے ہمیں اس میں خامیاں ضرور نظر آتی ہیں مگر خوبیاں بہت ہیں - ہم فاضل مولف کی اس ترتیب کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں - اس میں مستقبل کے مورخین کے لئے جو واقعات کو نئی صورت میں مرتب کریں گے بہت کچھ مواد موجود ہے - چھپائی عمدہ ہے - کتاب کے حجم کے لحاظ سے قیمت مناسب ہے - مجلد کتاب تین روپیہ بارہ آنے میں صوفی پریس پنڈی بہاؤالدین (پنجاب) سے دستیاب ہوسکتی ہے —

(ا)

———:o:———

تعلیم و تربیت

۱- ابتدائی تعلیم کی رام کہانی (یعنے دیہاتی مدرسوں کے نام ایک ضروری خط)—

۲- ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور اُن کی جغرافیائی کیفیت—

۳- وہ جاندار جو نظر نہیں آتے—

(مصنفۂ منشی رام پرشاد صاحب بی-اے-ہیڈ ماسٹر گورمنٹ ہائی اسکول گونڈہ)

منشی صاحب ایک قابل تعلیم یافتہ اور بہت بڑے مولف ہیں- وہ بے لاگ-بے تعصب-صلح کل بزرگ ہیں اور وسیع اور صوفیانہ مشرب رکھتے ہیں- انہوں نے اکثر ایسی ہی کتابیں لکھی ہیں جن سے اہل وطن کو علمی اور اخلاقی فائدہ پہنچنے کی توقع ہے- یہ تین کتابیں جن کا نام اوپر لکھا گیا ہے خاص تعلیمی حیثیت رکھتی ہیں اور قابل مصنف نے اسی غرض سے لکھی ہیں- ان میں سے پہلی کتاب یعنے ابتدائی تعلیم دیہاتی مدارس کی اصلاح کے لئے لکھی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس مضمون پر اردو زبان میں اس سے اچھی کتاب دیکھنے میں نہیں آئی-بیان کا پیرایہ ایسا دلچسپ اور زبان ایسی صاف اور آسان ہے کہ پڑھنے سے جی نہیں اکتاتا-منشی صاحب گھر کے بھیدی معلوم ہوتے ہیں-کوئی بات چھوٹی سی چھوٹی بھی اُن کی نظر سے نہیں بچی اور اُن کی نظر وہاں پہنچتی ہے جہاں اچھے اچھے مبصر بھی چوک جاتے ہیں-کتاب کیا ہے دیہی مدرسے کا سچا نقشہ کھینچا ہے اور ایسی چھپی چھپی چوریاں پکڑی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے-معائنہ رجسٹر-صفائی-گاؤں کی عام حالت اور مدرس کے تعلقات-ہر مضمون کے پڑھانے کا طریقہ-نشست و برخاست وغیرہ وغیرہ تمام مضامین آگئے ہیں اور ہر مضمون پر بہت تفصیلی اور جزوی بحث کی ہے اور جو بات کہی ہے تجربہ اور گُر کی ہے-منشی صاحب کو لکھنے کا ڈھنگ بہت اچھا آتا ہے-سب کچھہ لکھہ گئے ہیں مگر اس پیرایے میں کہ مدرس کو بھی ناگوار نہ گزرے اور اگر اس میں ذرا بھی ذوق ہو تو بغیر کسی کی مدد کے محض اس کتاب کی بدولت اپنے مدرسے کی کامل اصلاح کرلے- ہماری رائے میں یہ کتاب ہر دیہاتی مدرس کے پاس ہونی چاہئے—

کتاب چھوٹی تقطیع کی ۳۵۲ صفحے پر ہے-قیمت ایک روپیہ چار آنے—

دوسری کتاب "ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور اُن کی جغرافیائی کیفیت" ہے۔یہ بہت ضروری کتاب ہے کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہندو مسلمان صدھا سال سے ایک ہی جگہ رہتے سہتے ہیں مگر اکثر ایک دوسرے کے رسم و رواج اور مذہبی اعتقادات و حالات سے ناواقف ہیں۔منشی صاحب نے یہ بہت اچھا کام کیا کہ اس چھوٹی سی کتاب میں تمام ہندو تیوہاروں کا مختصر طور پر ذکر کردیا ہے اور ہر تیوہار کے ساتھہ اس کا شان نزول اور اس کی حکمت بھی بیان کردی ہے۔اگرچہ اس میں کہیں کہیں تکلف اور تاویل سے کام لیا ہے۔کتاب بہت اچھے کاغذ پر چھپی ہے۔ کل سو صفحے ہیں۔قیمت ۶ آنے یہ ہندوؤں اور غیر ہندوؤں دونوں کے لئے مفید ہے—

تیسری کتاب سب سے چھوٹی ہے جو ایسے جانداروں کے متعلق ہے جو نظر نہیں آتے۔ان کی زندگی بڑی دلچسپ ہے۔قابل مولف نے بہت سلیس زبان میں ان کے حالات بیان کئے ہیں اور بتایا ہے کہ نظام قدرت میں انہیں کیا دخل ہے اور انسان کو ان سے کیا کیا فائدے اور نقصان پہنچتے ہیں۔بہت اچھی چھپی ہے۔قیمت چار آنے (یہ تینوں کتابیں انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سے مل سکتی ہیں)—

نیرنگ ارض

یہ کتاب جناب سید راحت حسین صاحب بی۔اے۔بی۔ایل وکیل چھپرہ کی تالیف ہے۔اس میں صاف اور سادہ الفاظ میں بچوں کو طبعی واقعات اور قدرتی انقلابات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے—

کتاب کی زبان سہل ضرور ہے۔لیکن ترتیب مضامین کے لحاظ سے ہمیں اس میں اور جغرافیہ طبعی کی دوسری درسی کتابوں میں کچھہ زیادہ فرق نظر نہیں آتا—

"زمین کی گولائی" "کرہ ہوائی" "زمین کا فرسودہ ہونا" یہ اور اسی قسم کے دوسرے ابواب اس کتاب کو مدرسہ کی وسطانیہ جماعتوں کے لئے موزوں بناتے ہیں۔لیکن "بچے اور بچیوں کے سمجھانے کے لئے" دوسری ترتیب کی ضرورت تھی—

کتاب کا طرز بیان بھی کم سن بچوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔مسلسل بیان ہے۔جس میں جابجا دقیق اور غیر مانوس اصطلاحیں مثلاً مائیہ (Hydrogen) شوریہ۔دخان تیزابی۔حرکت دولابی وغیرہ موجود ہوں بچے اُکتا جاتے ہیں۔قابل مولف نے اگر علامہ نذیر احمد مرحوم کے اس طرز کو استعمال کیا ہوتا جو بنات النعش میں پایا جاتا ہے اور پیچیدہ بیان کے بدلے مکالموں کی شکل میں کتاب ترتیب دی ہوتی

تو بے شبہ یہ کتاب بہت زیادہ مفید ہوتی —

اصطلاحات کے متعلق ہمیں قابل مولف سے وہی شکایت ہے جو اکثر علمی کتابوں کے مصنفین سے ہے یعنی اپنے طور پر علیحدہ اصطلاحات کا تجویز کرنا۔اس کتاب میں بعض عجیب و غریب اصطلاحیں نظر آتی ہیں۔کچھ مثالیں اوپر دی جاچکی ہیں کچھ اور ملاحظہ ہوں —

اهتداء حرارت	Conduction of heat
احسال حرارت	Induction
مقیاس البرودت	Barometer
باد تجارت	Trade-wind
وغیرہ	

بہر حال جغرافیہ کی موجودہ کتب درسی پر اس کتاب کو یہ فوقیت ضرور حاصل ہے کہ اختصار کے بدلے اس میں ہر چیز تفصیل کے ساتھ سمجھا کر پیش کی گئی ہے۔اس حیثیت سے یہ مدرسین کے لئے بھی مفید ہے —

لکھائی چھپائی بہت غنیمت ہے۔دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سے ایک روپیہ ۴ آنہ میں مل سکتی ہے —

(و)

—:o:—

مذہب

پیام امین

اس رسالہ کے مصنف مولوی محمد عبداللہ ملہاس ہیں۔مولوی صاحب موصوف نے محققانہ انداز سے بڑی شرح وبسط کے ساتھہ اس پر بحث کی ہے کہ اسلام کے پہلے دور میں قرآنی آیتوں اور سورتوں کو کس طرح جمع کیا گیا اور ان پارہ ہاے قرآنی نے کب اور کیونکر ترتیب پا کر کتابی صورت اختیار کی اور کس احتیاط سے انہوں نے اس امانت کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا اور کن کن طریقوں سے دنیا کے مختلف گوشوں میں اس کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی۔اس کے اخلاقی روحانی امانی اشتراکی اور اقتصادی اثرات اس عالم میں کیا کیا ہوے جنھوں نے بڑے بڑے علماء مستشرقین اور غیر مسلم مشہور مصنفوں کو متاثر اور محو حیرت کر کے قرآن مجید کی تعریف و تائید میں بے ساختہ اُن کی زبان قلم سے جو کچھہ بھی

نکلوا دیا ہے تقریباً اُن بہت سی رایوں کو لایق مصنف نے اس رسالہ "پیام امین" میں جمع کر دیا ہے جس سے اس کلام الٰہی کی عظمت کا سکہ ہر قلب سلیم پر اچھی طرح بیٹھہ سکتا ہے

والفضل ما شهدت به اعداء

(ظ)

"فتنۂ خلق قرآن" ترجمہ کتاب الحیدہ

اصل کتاب الحیدہ امام عبدالعزیز کنانی کی جو غالباً مصر کی چھپی ہوئی تھی ایک عرصہ ہوا ہماری نگاہ سے گزر چکی ہے اس میں مصنف نے اس معرکۃ الآرا مباحثہ کی روئداد درج کی ہے جو قرآن کے کلام اللہ اور غیر مخلوق ہونے پر "مامون" کے دربار میں خود اس سے اور "بشر مریسی" سے ہوا۔اس مناظرہ میں "بشر" کو جو خلق قران کا قائل تھا مصنف کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی۔یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایسا تواہم مناظرہ جس میں بڑی بڑی نازک بحثیں اور فلسفیانہ آمیزش کی وجہ سے پیچیدہ مسائل سامنے آگئے ہیں لیکن مصنف نے ہر دعوے کے ثبوت اور ہر بات کی سند میں قرآن کی صریح آیتوں سے استدلال کیا ہے۔اس دلچسپ مناظرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کی طرف سے مصنف کو قرآن کے سمجھنے کا وہ اعلی دماغ ملا تھا کہ شاید ہی اس زمانہ میں کسی کو ملا ہو—

اسی رسالہ کا اُردو ترجمہ ملک ابو یحیی امام خاں نوشہری نے کر کے "فتنۂ خلق قرآن" کے نام سے شایع کیا ہے۔لایق مترجم نے آسانی اور سہولت کے لئے اس میں جا بجا عنوان اور سرخیاں قایم کر دی ہیں جس کی وجہ سے یہ رسالہ ایک حد تک عام فہم ہو گیا ہے۔اس مناظرہ میں مصنف کے استفسار اور سوالات پر بشر مریسی نے جو "گریز" کا طریقہ اختیار کیا ہے اس کے لئے عربی میں لفظ "حاد" استعمال ہوا ہے۔اگر اُس کا ترجمہ "تجاہل عارفانہ" کی جگہ "گریز" سے کیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا—

(ظ)

اسلامی رسول کے معجزے

یہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی تالیف ہے۔خواجہ صاحب کی

تالیفات کا سلسلہ لا متنا ہی معلوم ہوتا ہے-آج کل وہ تاریخ اور مذہب پر جھکے ہوے ہیں-کوئی منحوس مہینہ ایسا جاتا ہوگا کہ اُن کی نئی نئی کتابیں نہ شایع ہوتی ہوں-ان کے قلم کی روانی حیرت انگیز ہے-یہ رسالہ آنحضرت صل اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ہے جو انہوں نے مختلف کتابوں سے جمع کئے ہیں-وہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان اس رسالہ کو پڑھیں گے تو عیسائیوں اور آریوں کے دھوکے میں نہ آسکیں گے-خواجہ صاحب کو ان باتوں کا بہت تجربہ ہے اور اس لئے ہم اس بارے میں کچھہ نہیں کہہ سکتے—

قیمت چھہ آنے ہے اور دفتر حلقۂ مشائخ بک ڈپو دھلی سے مل سکتا ہے—

خدائی انکم تیکس

نام ہی کہے دیتا ہے کہ یہ حضرت خواجہ صاحب کی گُل افشانی ہے-اس رسالے میں زکوۃ کا مصرف اور اس کے متعلق احکام اور مسائل کا بیان ہے-یہ رسالہ ب چوتھی بار شایع ہوا ہے-مذہبی کتابوں میں سے تمام احکام کو لیکر ایک جا جمع کر دیا ہے—

۸۰ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۱۰ آنے ہے—

انسداد گداگری اور اصلاح جزات

یہ گویا رسالۂ زکوۃ کا ضمیمہ ہے-بہت مفید رسالہ ہے-مکالمہ کی صورت میں لکھا گیا ہے-اس کے لکھنے والے مولوی ابوالخیر محمد خیر الدہ صاحب اول مدد گار تعلقدار ورنگل اور شایع کرنے والے جناب خواجہ صاحب ہیں—

مشائخ بک ڈپو دھلی سے چار آنہ میں مل سکتا ہے—

———:0:———

متفرق

حضرت خواجہ حسن نظامی کا روز نامچہ

یہ دن بھر ہی کا کارنامہ نہیں بلکہ اس میں صبح سے لیکر شام تک اور شام سے دس بارہ بجے رات تک کی خوش عملیاں اور خوش فعلیاں درج ہیں-یہ ایک سال کی رام کہانی ہے یعنے دسمبر سنہ ۱۹۲۳ ع سے لے کر دسمبر سنہ ۱۹۲۴ ع تک کی-

اس کے ہر صفحے پر خواجہ صاحب چھکتے ہوے نظر آتے ہیں- نہایت بے تکلف-
اونی کے ساتھہ جو کچھہ پیش آتا ہے لکھتے چلے جاتے ہیں- روز نامچے میں اُن کی
نقل و حرکت اور مصروفیتان دیکھہ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے دبلے پتلے آدمی اس
قدر کام کرتے ہیں- معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لخطہ ان کا ضایع نہیں جاتا- مگر ملاقاتیں
بہت کرتے ہیں- یہ بات کچھہ اچھی نہیں معلوم ہوتی اور جہاں کوئی مل گیا یا
کسی سے ایک آدھ بات ہوگئی تو جھٹ لکھہ مارتے ہیں- اس سے ڈر معلوم ہوتا ہے-
ان کے کام کو خوب فروغ ہے اور اسی کے ساتھہ اُن کے مقصد اور نیت میں بھی ترقی
ہوتی جاتی ہے—

کتاب دلچسپ ہے اور ۳۴۴ صفحے کا طومار ہے- جب کوئی کام نہ ہو اور وقت
ٹالے نہ ٹلتا ہو- یا جب کبھی ایل کا لمبا سفر پیش آجاے تو یہ کتاب رفیق کا
کام دی گی—

قیمت دو روپیہ ہے- حلقۂ مشائخ بک ڈپو دھلی سے مل سکتی ہے—

تبلیغ نامۂ وحدت و محبت

یہ چھوٹا سا رسالہ احسان الحق فقیر عشقی صاحب نے شائع کیا ہے اور اُن کے
پیر و مرشد صوفی عنایت خاں صاحب مہاجر یورپ و بانی صوفی آرڈر کے
پیام و حدت و محبت کا عام فہم خلاصہ ہے- یہ پیام انہیں حضرت مرشدہ رابعہ
اے مارٹن رئیسۂ امریکہ کے ذریعہ سے پہنچا جسے وہ اپنے ملک کے ہر مذھب و ملت
والوں کو پہنچانا چاہتے ہیں—

صوفی عنایت خان صاحب کے نام سے ہندوستان میں اکثر لوگ واقف
ہوں گے- یہ بڑودہ کے مشہور گویوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں- خود گانے بجانے
میں بڑے استاد تھے- یورپ بھی اسی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے- وہاں ان کی بڑی
شہرت ہوئی- اس کے بعد انہوں نے موسیقی کے ذریعہ تصوف کا بیج بونا شروع کیا-
اب وہ صوفی ہی نہیں پیر و مرشد اور قبلہ و کعبہ ہیں اور ایک مت کے بانی ہیں-
ان کا مسلک صلح کل اور وحدت و محبت ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں
ہو سکتا- یورپ و امریکہ میں ان کے بہت سے ماننے والے پیدا ہو گئے ہیں- ہندوستان
میں اس کا مرکز حضرت عشقی نے دھلی میں قائم کیا ہے- جو تفصیل سے واقف ہونا
چاہتے ہیں وہ اُن سے بازار مچھلی والان متصل سنگم تھیٹر دھلی کے پتہ سے
پوچھہ سکتے ہیں—

غرض ہندوستان کی سر زمین ہے مردم خیز

پنجاب کی بعض اچھوت قومیں

یہ دلچسپ اور خوبصورت کتاب پنجاب انفرمیشن بیورو نے شایع کی ہے اس میں پنجاب کی بعض اچھوت قوموں کے بہت دلچسپ اور عجیب حالات درج ہیں- جہاں تک ہو سکا ہے ان حالات کے بیان کرنے میں تحقیق اور تلاش سے کام لیا گیا ہے- طرز بیان بھی دل-کش اور صاف ہے- آج کل چھوت کا مسئلہ ملک میں زیر بحث ہے اس لئے اُمید ہے کہ یہ کتاب شوق سے پڑھی جاے گی اور خاصکر وہ اصحاب جو ملک کی معاشرت اور سیاست کی اصلاح کی طرف مائل ہیں اس کتاب کا غور سے مطالعہ فرمائیں گے- باوجود تعلیم کی عام اشاعت اور ذرائع آمد و رفت کی سہولت کے یہ وسیع ملک ابھی تک پر اسرار ہے- ہم میں سے کتنے ہیں جو ان بد نصیب ہم وطنوں کے اندرونی حالات و معاشرت اور رسم و رواج سے واقف ہیں- ان چیزوں کا مطالعہ کرنا اور اُن پر غور کرنا ہر پہلو سے مفید اور بصیرت پیدا کرنے والا ہے- کتاب بہت اچھی چھپی ہے اور جا بجا خوبصورت عکسی تصویریں بھی لگادی گئی ہیں- پنجاب انفرمیشن بیورو کا یہ کام قابل شکریہ ہے- کتاب پنجاب انفرمیشن بیورو لاہور سے مل سکتی ہے- قیمت صرف آٹھ آنے ہے —

———:0:———

اُردو کے جدید رسالے

اورینٹل کالج میگزین

اُردو میں آج کل نئے نئے اور طرح طرح کے رسالے نکل رہے ہیں اورنٹیل کالج لاہور سے کسی رسالے کا نہ نکلنا باعث تعجب تھا- اورینٹل کالج پنجاب میں ایک زمانے تک علم و ادب کا مرکز رہا ہے اور اس کا فیض دور دور تک پہنچا ہے- پنجاب یونیورسٹی نے علمی ذوق ملک میں اس قدر نہیں پیدا کیا جس قدر اورینٹل کالج نے اور اس وقت بھی باوجود اس غفلت کے جو اس کے ساتھ برتی جا رہی ہے وہ علم کی روشنی پھیلانے میں کچھ کم کام نہیں کر رہا ہے- یہ امر موجب مسرت ہے کہ مولوی محمد شفیع صاحب ایم-اے وائس پرنسپل اورینٹل کالج نے جو اپنے علم و فضل کے باعث خاص امتیاز رکھتے ہیں انجمن پنجاب اور کالج کی قدیم روایت کو پھر زندہ کیا ہے- اس میگزین کے چیف اڈیٹر آپ ہی ہیں- رسالے کے دو حصے ہیں- ایک عربی فارسی اُردو کا اور دوسرا سنسکرت هندی اور پنجابی کا

عربی فارسی اُردو کے حصے کے اڈیٹر ڈاکٹر محمد اقبال ایم-اے-پی-ایچ ڈی ہیں جو اپنے علمی ذوق کے لئے کسی تعارف کے محتاج نہیں-سنسکرت اور ہندی کے اڈیٹر ڈاکٹر لکشمن سروپ صاحب ایم-اے-پی-ایچ ڈی اور پنجابی حصے کے بھائی بے انت سنگھہ صاحب بی-اے ہیں اور اُن کے معاونین میں ہمارے فاضل پروفیسر حافظ محمود شیرانی صاحب کا نام بھی نظر آتا ہے-جب ایسے ایسے صاحب بصیرت ذی علم کسی رسالے کی ترتیب کے لئے آمادہ ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ رسالہ تحقیق علم اور تہذیب ذوق میں سب سے سبقت لے جاے گا—

رسالہ کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ "احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جاے اور خصوصیت کے ساتھہ اُن طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جاے جو سنسکرت-عربی-فارسی اور پنجابی کے مطالعہ میں مصروف ہیں" مضامین کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "کوشش کی جاے گی کہ اس رسالہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہوں-غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا"—

سال میں تین بار شایع ہوگا-دو نمبر شایع ہو چکے ہیں اور جو مقصد اڈیٹروں نے قرار دیا ہے اس کے تکمیل کی کوشش کی ہے—

سالانہ چندہ تین روپیہ ہے—

المومن

آج کل مشکل سے کوئی مہینہ ایسا خالی جاتا ہوگا کہ اُردو میں کوئی نیا رسالہ شایع نہ ہوتا ہو-عام ملکی اور قومی رسالوں کے علاوہ اب فرقہ واری اور ذات واری رسالے نکلنے شروع ہوے ہیں-ایسی حالت میں مومنوں کا پر جوش فرقہ کیوں کسی سے پیچھے رہتا-یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ان میں بعض ایسے تعلیم یافتہ حضرات موجود ہیں جنھیں اپنی قوم کی اصلاح کا خیال ہے اور انھیں کی سعی سے مومن کانفرنس بھی قایم ہوئی ہے جس کا پہلا اجلاس چند مہینے ہوے تاون ہال کلکتہ میں کامیابی کے ساتھہ ہوا-رسالہ عام معلومات اور ادبی اور علمی مضامین کے لحاظ سے دلچسپ ہے-لیکن مومنوں کے حالات اور اصلاح معاشرت کے متعلق نسبتاً بہت کم مضامین ہوتے ہیں-حالانکہ اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے اڈیٹر محمد یحیی صاحب مومن اور اسسٹنٹ اڈیٹر عبدالرحیم صاحب بی-اے ہیں-کلکتہ سے شایع ہوتا ہے-سالانہ چندہ تین روپیہ ہے—

وحید العصر

یہ رسالہ جونپور سے شایع ہوتا ہے۔اس میں زیادہ تر خیالی اور شاعرانہ مضامین ہوتے ہیں۔دو تین صفحے نظم کے بھی ہوتے ہیں۔اڈیٹر مولوی ولی الدین صاحب شفیق جونپوری ہیں۔تقریباً ۲۰ صفحہ کا رسالہ ہے۔دلچسپی سے خالی نہیں۔ افسوس ہے کہ لکھائی چھپائی اچھی نہیں۔سالانہ چندہ صرف ڈیڑہ روپیہ ہے —

النور

یہ رسالہ حیدرآباد دکن سے شایع ہوتا ہے۔جس میں مذہبی اخلاقی اور ادبی مضامین ہوتے ہیں۔نظم کی بھی چاشنی موجود ہے۔اڈیٹر ابوالفتوح سید محمد باقر حسینی طارق صاحب ہیں۔حجم ۳۲ صفحہ ہے۔سالانہ چندہ تین روپیہ ہے

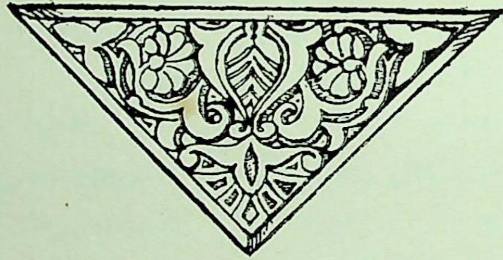
سود مند

یہ رسالہ اس سال جون سے نکلنا شروع ہوا ہے۔مقام اشاعت علی گڈہ ہے اور مہینے میں دو بار شایع ہوگا۔اڈیٹر کا نام درج نہیں ہے۔لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی طفیل احمد صاحب ہیں اور اگر وہ اڈیٹر نہ بھی ہوں تو بھی اس میں شک نہیں کہ اس کے محرک وہی ہیں۔مولوی طفیل احمد صاحب نے سود کی بحث کو کئی سال سے چھیڑ رکھا ہے اور مسئلہ کی تحقیق اور تلاش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔اگرچہ بعض حضرات کو اُن سے اختلاف ہے لیکن بگڑنے اور خفا ہونے کی بات نہیں ہے۔دنیا کے موجودہ حالات کے رو سے یہ مسئلہ نہایت ضروری اور قابل بحث ہے۔باوجود مخالفت کے مولوی طفیل احمد صاحب جس استقلال اور صبر کے ساتھہ اس کام کو کر رہے ہیں وہ قابل داد ہے۔رسالے میں زیادہ تر مضامین اسی مسئلے اور مسلمانوں کی معاشی اور معاشرتی حالات کے متعلق ہیں۔رسالہ پڑھنے کے قابل ہے اور اس کے پڑھنے سے بہت سی نئی معلومات حاصل ہوں گی۔مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ کے مطبع میں چھپا ہے۔اس لئے اس کی چھپائی لکھائی کے متعلق کچھہ کہنا فضول ہے۔سالانہ چندہ چار روپیہ ہے —

سرتاج

یہ رسالہ ملتان سے نکلتا ہے۔یہ تعلیم یافتہ خواتین کا ماہوار علمی۔ادبی

اخلاقی رسالہ ہے - اڈیٹر امتیاز فاطمہ بیگم عرف حاجیہ تاج بیگم ہیں-جس غرض سے یہ رسالہ نکالا گیا ہے اُسے خوبی کے ساتھہ انجام دے رہا ہے-لکھی پڑھی اور تعلیم یافتہ خواتین کے پڑھنے کے لائق ہے-مضامین دلچسپ اور مفید ہیں اور زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں جو لڑکیوں اور عورتوں کے لئے بہت مناسب ہیں-لکھنے والے اور لکھنے والیاں بھی اچھی ملی ہیں-سالانہ چندہ چار روپیہ ہے —



مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاصکر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے۔ جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے۔ اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے۔ ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے۔ خاصکر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ کلدار

سرگزشت حیات یا آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے۔ حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا ہوا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا۔ یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔ (حجم ۳۰۰ صفحہ)
قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار۔۔

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی۔ میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں۔ اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے۔ میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے۔ اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ کلدار۔ غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ کلدار۔۔

تاریخ تمدن

سر تامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا

ترجمہ ہے - الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ مجلد دو روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ کلدار —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے۔ اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار — مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃ الارا تصنیف فوزالاصغر کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار مجلد ایک روپیہ کلدار —

القہر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ان سب کو جمع کر دیا ہے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ کلدار - مجلد ۱ روپیہ کلدار —

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہئے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے - قاعدہ غیر مجلد ۲ آنہ کلدار - کلید قاعدہ غیر مجلد ۴ آنہ کلدار —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۳ روپیہ کلدار - غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاالنہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ کلدار مجلد ۲ روپیہ کلدار —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل

قلم بند کئے ہیں۔کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے۔قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ کلدار مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار ــــ

مشاہیر یونان و رومہ

ترجمہ ہے۔سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے۔ ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے۔وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے۔قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ کلدار۔مجلد ۴ روپیہ کلدار جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار ــــ

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے۔قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ کلدار حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ کلدار ــــ

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔اشتراکیت کا باب قابل دید ہے۔ حجم ۸۸۵ صفحے قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ کلدار ــــ

تاریخ اخلاق یورپ

اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر۔تحقیق و صداقت کا مرادف ہے۔ یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن۔ معاشرت ـ اصول ـ اخلاق ـ مذاہب و خیالات کا مرقع ہے۔حصۂ اول مجلد ۳ روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار ــــ

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ۔اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے۔ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار ــــ

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہے۔مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے۔قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار ــــ

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے۔علمی اصطلاحات سے معرا۔طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ کلدار—

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا۔پانی۔غذا۔لباس۔مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپزیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے۔اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا۔حجم ایک ہزار صفحے۔قیمت مجلد چار روپیہ کلدار—

قواعد اردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے۔ بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار—

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے۔اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں۔نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں۔مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔قیمت مجلد دو روپیہ ۴ آنہ کلدار—

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے۔ متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ کلدار—

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف ”یہ بالکل نیا موضوع ہے۔میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں“۔اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں۔مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے۔سابقوں اور لاحقوں۔اردو مصادر اور ان کے

مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں - اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں اور ہمارے حوصلہ بلند کر دئے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آیندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

نفح الطیب

یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے معلومات کا خزانہ ہے - خلافت اسپین کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے - علامۂ مقری کی نامور اور مشہور آفاق کتاب ہے جو پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہے - یہ کتاب عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب میں بھی داخل ہے صفحات ۶۰۴ قیمت مجلد چھہ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃ الارا مضمون ہے - اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدردانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس مین بعض قدیم اقوام - سلطنت کلدانی - آشوری - بابل - بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دئے ہیں - اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۷۴ - قیمت مجلد دو روپیہ ۶ آنہ کلدار —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے - کہاں سے آتی ہے - کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت دو روپیہ ۴ آنہ کلدار —

——:o:——

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں
(کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں)



(دارالمصنفین اعظم گڈھ)

۱- سیرۃ النبی حصۂ اول ۴ روپیہ
۲- سیرۃ النبی حصۂ دوم ۳ روپیہ ۸ آنہ
۳- سیرۃ النبی حصۂ سوم ۹ روپیہ
۴- شعر العجم مکمل ۵ حصے ۱۳ روپیہ
۵- سفرنامہ مولانا شبلی ۲ روپیہ
۶- علم الکلام ۲ روپیہ
۷- الکلام ۲ روپیہ
۸- کلیات شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
۹- اسوۂ صحابہ مکمل دو حصہ ۸ روپیہ
۱۰- انقلاب الامم ۲ روپیہ
۱۱- برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۲- مکالمات برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۳- مثنوی بحر المحبت ۱۲ آنہ
۱۴- تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی) ۲ روپیہ
۱۵- سیر الصحابیات ۲ روپیہ ۴ آنہ
۱۶- روح الاجتماع ۲ روپیہ
۱۷- ابن رشد ۴ روپیہ
۱۸- گل رعنا ۵ روپیہ
۱۹- سیر الانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ

(مطبع کاویانی - برلن)

۱- موش و گربہ (فارسی) ۵ آنہ ۶ پائی
۲- زاد المسافرین (فارسی) ۸ روپیہ
۳- گلستان (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۴- تیاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۵- تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
۶- نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
۷- رہنمای پسراں (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
۸- تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
۹- ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ - علی گڈھ)

۱- الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
۲- الصراط المستقیم ۲ روپیہ
۳- بصائر ۶ آنہ
۴- سیرۃ الرسول ۱ روپیہ ۸ آنہ
۵- خلافت راشدہ ۲ روپیہ
۶- خلافت بنی امیہ ۱ روپیہ ۸ آنہ
۷- خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
۸- خلافت عباسیہ بغداد ۲ روپیہ
۹- مبادی معاشیات ۱ روپیہ
۱۰- انتخاب میر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیہ
۱۱- قواعد عربی ۲ روپیہ
۱۲- عرض جوہر ۸ آنہ
۱۳- مجموعہ کلام جوہر ۶ آنہ
۱۴- اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
۱۵- ازہار العرب ۸ آنہ

۱۶- انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
۱۷- ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
۱۸- خطبہ شیخ الہند ۲ آنہ
۱۹- خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
۲۰- ہمارے نبی ۸ آنہ
۲۱- تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
۲۲- اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس- بدایون)

۱- قاموس المشاہیر جلد اول ۶ روپیہ
۲- نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
۳- دیوان غالب مشرح مجلد دو روپیہ ۸ آنہ
۴- دیوان جان صاحب مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ
۵- دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
۶- دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ۱ روپیہ ۸ نہ
۷- خطوط سرسید قسم اول ۳ روپیہ
۸- خطوط سرسید قسم دوم ۲ روپیہ
۹- لیتھوگرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
۱۰- انتخاب زرین مجلد ۲ روپیہ
۱۱- مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
۱۲- مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ قسم دوم ۴ روپیہ
۱۳- تذکرۃ الصلحا ۸ آنہ
۱۴- کنز التاریخ ۱ روپیہ ۸ آنہ

(دائرۂ ادبیہ- لکھنؤ)

۱- یادگار غالب ۳ روپیہ
۲- مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
۳- مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
۴- مینائے سخن ۱ روپیہ
۵- حزن اختر ۸ آنہ
۶- درس عمل ۴ آنہ
۷- خواتین انگورہ ۱ روپیہ
۸- بیگمات بنگال ۶ آنہ
۹- اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنہ
۱۰- مشرقی ترکستان ۶ آنہ
۱۱- سیاحت زمین ۱ روپیہ
۱۲- سیاحت ہوا ۱ روپیہ

الناظر پریس- لکھنؤ

۱- تاریخ عرب ۷ روپیہ ۸ آنہ
۲- موازنہ انیس و دبیر ۳ روپیہ
۳- مقدمہ شعر و شاعری ۱ روپیہ ۴ آنہ
۴- اصول النسخ ۶ آنہ
۵- مسلمانان اندلس ۱ روپیہ ۸ آنہ
۶- اسرار رنگون ۱ روپیہ
۷- ہوم رول ۵ آنہ
۸- خوان دعوت ۱ روپیہ
۹- مصنوعی شوہر ۲ آنہ
۱۰- وکرم اروسی ۱ روپیہ ۸ آنہ
۱۱- مسلمانوں کی تہذیب ۶ آنہ
۱۲- الاحسان ۸ آنہ
۱۳- ارض نہریں ۴ آنہ
۱۴- تذکرۂ حزیں ۴ آنہ
۱۵- حیات نظامی ۴ آنہ
۱۶- خطاب ۴ آنہ

۱۷- میلاد نبوی ۴ آنه
۱۸- تصویر درد ۴ آنه
۱۹- شمع و شاعر ۲ آنه
۲۰- فریاد اُمت ۳ آنه

(دوسری قابل قدر کتابیں)

۱- رسائل شبلی ۱ روپیه ۸ آنه
۲- کتب خانه اسکندریه ۵ آنه
۳- مسدس حالی ۱۲ آنه
۴- جنگل کی پہلی کہانی ۵ آنه
۵- بادل کے بچے ۱ روپیه
۶- بانگ درا ۴ روپیه
۷- یادگار غالب ۱ روپیه ۸ آنه
۸- مجموعه نظم حالی ۸ آنه
۹- اکبری اقبال ۳ آنه
۱۰- الفاروق ۳ روپیه
۱۱- اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۸ آنه
۱۲- نظم شبلی ۴ آنه
۱۳- نفس اللغة ۱ روپیه
۱۴- ترانهٔ شوق ۱ روپیه ۸ آنه
۱۵- خوبی سخن ۸ آنه
۱۶- دیگر ممالک میں قطع تعلق ۱۰ آنه
۱۷- آزادی اسلام ۴ آنه
۱۸- مصطفی کمال پاشا ۱ روپیه ۸ آنه
۱۹- گوکھلے کی تقریریں ۱۲ آنه
۲۰- سلف گورنمنٹ ۶ آنه
۲۱- عالم خیال ۸ آنه
۲۲- حیات خسرو ۸ آنه
۲۳- نظام حیات انسانی ۸ آنه
۲۴- فرہنگ فارسی جدید ۱ روپیه ۸ آنه
۲۵- فرہنگ عربی جدید ۱ روپیه ۸ آنه
۲۶- اسلامی حکومت ۲ آنه

——:o:——

دیوان غالب جدید و قدیم

یه وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بیحد انتظار تھا- اس میں میرزا غالب کا قدیم وجدید تمام کلام موجود ہے- میر صاحب کے قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی یه محض حسن اتفاق تھا که ہاتھه آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے- مع مقدمهٔ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مجلد ۵ روپیه کلدار- غیر مجلد ۴ روپیه کلدار (بلا مقدمه مجلد ۳ روپیه ۸ آنه کلدار غیر مجلد دو روپیه ۸ آنه کلدار)—

مکاتیب

نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک مرحومین کے غیر مطبوعه خطوط کا قابل قدر- دلچسپ- پر از معلومات اور بہترین مجموعه- مرتبهٔ مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال ۱ روپیه—

المشتہر

انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد (دکن)

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں
(کل قیمتیں سکۂ کلدار میں ھیں)



نیرنگ ارض
مولفہ مولوی سید راحت حسین
صاحب بی-اے ۱ روپیہ ۴ آنہ

سیر المصنفین
مولفہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا
وکیل غازی آباد ۲ روپیہ

Hindustani Simplified (اردو آموز)
دنیش چندر دت صاحب ایم اے ۳ روپیہ

شرح Hindustani simplified
مولفہ دنیش چندر دت صاحب ایم اے
۱ روپیہ

رسالہ نماز Prayer Book
خان صاحب عابد علی خاں صاحب
۱ روپیہ

ابتدائی تعلیم کی رام کہانی
مولفہ منشی رام پرشاد صاحب بی اے
۱ روپیہ ۴ آنہ

ھندو تیواروں کی اصلیت اور
ان کی جغرافیائی کیفیت
مولفہ منشی رام پرشاد صاحب بی اے
۶ آنہ

وہ جاندار جو نظر نہیں آتے
مولفہ منشی رام پرشاد صاحب بی اے
۴ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب لاھور کی کتابیں)

اخترالنسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
دکھہ بھری کہانی	۲ آنہ ۶ پائی
روشنک بیگم	۲ روپیہ
رانی کرونارت	۱ آنہ
رسوم دھلی	۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیہ
بانگ درا مجلد	۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
خواب راحت	۴ آنہ
چندن ھار	۲ آنہ
انمول موتی	۱ آنہ ۶ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنہ
گوھر مقصود	۶ آنہ
لیلیٰ	۲ آنہ
سواءالسبیل	۱ روپیہ
سخندان پارس	۱۰ آنہ
قوانین دولت	۴ آنہ
مینا	۱۲ آنہ
چترا	۱۲ آنہ



انجمن کی کتابیں جو زیر طبع ہیں

۱- لغت اصطلاحات علمیہ- اس کا معتدبہ حصہ چھپ چکا ہے—

۲- کلیات ولی

۳- قواعد اردو مؤلفہ مولوی عبدالحق صاحب بی-اے بعد نظر ثانی اور تغیر و تبدل کے چھپ رہی ہے—

۴- محاسن کلام غالب مصنفہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم—

ان کے علاوہ چند کتابیں زیر نظر ثانی ہیں جن کی طبع کا انتظام عنقریب کیا جائے گا:—

۱- لغت اصطلاحات اہل حرفہ- نظر ثانی کی جاری ہے- اس کے بعد نقشوں اور تصویروں کا انتظام کیا جائے گا—

۲- کلیات سراج

۳- سب رس

۴- مثنوی خواب و خیال تصنیف خواجہ محمد میر اثر دہلوی برادر خواجہ میر درد—

———:o:———

اطلاع

رسالہ اردو کے پہلے پانچ نمبر بالکل باقی نہیں رہے اکثر اصحاب نے طلب فرمائے مگر ہم تعمیل سے معذور رہے- اب جن اصحاب کو ان کی ضرورت ہو اور اُنہیں لینا چاہتے ہوں براہ کرم ہمیں اطلاع دیں- ہم اُن کی فرمایش درج کرلیں گے اور کافی فرمایشیں آنے پر دوبارہ طبع کرالئے جائیں گے—

———:o:———

رسالہ اردو نمبر ۶ سے نمبر ۱۸ تک موجود ہیں اور بہ حساب دو روپیہ فی رسالہ علاوہ محصول ڈاک مل سکتے ہیں—

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

اُردو کا ماهانه رساله شمع - آگره

جنوری سنه ۱۹۲۵ ع سے شمع نهایت آب و تاب سے شائع هو رها هے - لکھائی - چھپائی کاغذ غرض هر لحاظ سے اپنی آپ نظیر هے - هر مضمون مهذب - محرک خیال اور معلومات جدیده کا بهترین نمونه هوتا هے اور تاریخی - سیاسی - اقتصادی و ادبی مضامین شائع هوتے هیں - اس کے مقاصد علمی و ادبی هیں - لائق مدیران شمع مسٹر محمد حبیب (آکسن) بیرسٹرایٹ لا - پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈه و مسٹر حسن عابد جعفری (آکسن) بیرسٹرایٹ لا آگره هیں - یه حضرات بهترین تعلیم یافته هونے کے علاوه اعلی درجه کے نقاد اور ادیب هیں اور فن اخبار نویسی سے واقف هیں اور محض ادبی و علمی خدمت کی آرزو میں رساله کی ترتیب میں مصروف هیں اس میں کوئی ذاتی فائده شامل نهیں اور نه کسی تجارتی اصول پر اس کو پیش کرنا چاهتے هیں —

هر ماه میں پابندی وقت سے شائع هوتا هے - تصاویر بھی شائع هوتی رهتی هیں —

حجم ۱۱۲ صفحه　　　قیمت سالانه ۶ روپیه　　　نمونه کا پرچه ۱۰ آنه

المشتهر

منیجر رساله شمع - حسن منزل - شاه گنج - آگره

Srinagar
15.5.43.

D. Sirs,

I have the honour to say: I gone Through This news book: (Rasala) named By Engineer Larke Tal Aslam) This Book is not Brilliant the methecal Book in see before:

Yours [illegible]
[illegible]

I [illegible] The [illegible]:
[illegible]

This Book is not Useful

[illegible]

I certified The [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

اُردو

۱-یہ انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ ہے جو جنوری-اپریل-جولائی اور اکتوبر کے پہلے ہفتے میں شایع ہوا کرے گا—

۲-یہ خالص ادبی رسالہ ہے جس میں زبان اور ادب کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں پر بحث ہو گی-حجم کم از کم ایک سو اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑہ سو صفحے ہو گا—

۳-بنظر احتیاط رسالہ ذریعۂ رجسٹری بھیجا جاتا ہے—

۴-قیمت سالانہ چھہ روپیہ کلدار-محصول ڈاک وغیرہ ملا کر آٹھہ روپیہ کلدار (سکۂ عثمانیہ سات روپیہ-محصول ڈاک وغیرہ ملا کر نو روپیہ سکۂ عثمانیہ)

۵-تمام خط و کتابت:-مولوی عبدالحق صاحب بی-اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اُردو و اڈیٹر اُردو اورنگ آباد (دکن) سے ہونی چاھئیے—

(باھتمام محمد صدیق حسن منیجر انجمن اردو پریس-اردو باغ اورنگ آباد دکن میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اردو سے شایع ہوا)



[illegible]

